مجلّہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبال کے ایما اور قائداعظم کی خواہش پر عمل میں آیا۔

قرآنی ربوبیت کا پیامبر

طلوع اسلام

ماہنامہ ---------- لاہور

خط و کتابت: ناظم ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) 25۔بی گلبرگ۔2 لاہور 54660 ٹیلی فون: 876219 فیکس: 92-42-876219

فہرست مشمولات

لمعات	ادارہ	2
قیام پاکستان اور علامہ اقبالؒ	ڈاکٹر صلاح الدین اکبر	6
آئین کمشن کے سوالنامے کے جوابات	علامہ غلام احمد پرویز	20
LETTER TO THE CHAIRMAN CONSTITUTION COMMISSION	ALLAMA G.A.PARWEZ	61
QURAN AND SCIENCE	A.S.K.JOOMAL	64

انتظامیہ:۔ چیئرمین: ایاز حسین انصاری۔ ناظم: محمد لطیف چوہدری

مدیر مسئول: محمد لطیف چوہدری۔ مجلس ادارت: میجر محمد یوسف ڈار۔ محمد عمر دراز۔ ڈاکٹر صلاح الدین اکبر۔

ناشر: عطاالرحمٰن ارائیں

طابع: خالد منصور نسیم۔ مطبع: النور پرنٹرز و پبلشرز 3/2 فیصل نگر ملتان روڈ لاہور۔

مقام اشاعت: 25-B گلبرگ 2 لاہور۔ 54660

جلد 49 - شمارہ 11 - نومبر 1996ء

بدل اشتراک

ایشیاء، افریقہ، یورپ 550 روپے

آسٹریلیا، امریکہ، کینڈا 750 روپے

اندرون ملک فی پرچہ 10 روپے سالانہ 120 روپے

جنوری 1997ء سے زر شرکت میں تبدیلی کی جا رہی ہے۔

تفصیلات اندر کے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لمعات

1- کیا عورت کا ولی کی اجازت کے بغیر کیا ہوا نکاح باطل ہے؟

قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ 5/44

"اور جو بھی اللہ کی طرف سے نازل کردہ (ضابطہ کے مطابق فیصلے نہیں کرتے' وہی تو کافر ہیں (یعنی اللہ کو نہ ماننے والے)۔

اس سے اگلی آیت میں ارشاد ہے کہ:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ 5/45

"اور جو بھی اللہ کی طرف سے نازل کردہ (ضابطہ) کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو ظالم ہیں" (یعنی وہ لوگ جو ' جس چیز کو جہاں ہونا چاہئے' وہاں نہیں رکھتے)

اس سے ایک آیت بعد کہا گیا ہے کہ:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ 5/47

"اور جو بھی اللہ کی طرف سے نازل کردہ (ضابطہ) کے مطابق فیصلے نہیں کرتے' وہی تو فاسق ہیں" (یعنی حدود سے تجاوز کرنے والے)۔

لہٰذا ہر شخص بھی فیصلہ کرنے والی مسند پر بیٹھا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کافر' ظالم اور فاسق' بننے سے بچنے کے لئے' اللہ کی طرف سے نازل کردہ (قران حکیم) کے مطابق فیصلے کرے - کیونکہ یہی وہ ضابطہ (الکتاب) ہے جو اللہ نے اپنے آخری رسولؐ پر نازل فرمایا۔

ارشاد ربانی ہے کہ:

اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○ 55/1-2

الرحمن (اللہ) نے قرآن سکھایا۔

دوسری جگہ، حضور نبیٔ اکرمؐ کی لسانِ مبارک سے' اللہ کی شہادت میں' کہا گیا ہے کہ قُلْ

اللّٰهُ شَهِيدٌۢ بَيْنِي وَ بَيْنَكُمْ وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ ○ 6/19

"میرے اور تمہارے درمیان اللہ شاہد ہے کہ مجھ پر قران وحی کیا گیا ہے۔"

تصریحات بالا سے یہ امر' شک و شبہ کی ہر رمق سے پاک' ثابت ہوتا ہے کہ حضور پر **ماانزل اللہ** صرف قرآن کریم ہے۔

آئینِ پاکستان میں بھی مذکور ہے کہ اس مملکت کا کوئی قانون' قرآن و سنّت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

اب آیئے اصل موضوع کی طرف!

قرآنِ مجید نے نکاح کو باہمی معاہدہ قرار دیا ہے۔

سورہ بقرہ آیہ 235 میں اسے "عقد" اور سورہ نساء آیت 25 میں اسے "میثاق" کہا گیا ہے۔ دونوں الفاظ کے معنی معاہدہ کے ہیں۔

ظاہر ہے کہ معاہدہ دو عاقل اور بالغ انسانوں کے درمیان ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم نے نکاح کی عمر کا تعین خود نہیں کیا' لیکن اس باب میں ضمناً" جو کچھ کہا ہے' اس میں نکاح کے لئے بلوغت کا لفظ آیا ہے۔

سورہ نساء میں ہے کہ :

وَابْتَلُوا الْيَتَامٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ 4/6

"تم یتیم بچوں کی جانچ پڑتال کرتے رہو تاآنکہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں"

دوسری جگہ سورہ انعام میں ہے کہ :

...... حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ 6/153

تاآنکہ وہ اپنی "اَشُدّ" کو پہنچ جائیں۔

"اَشُدّ" بھرپور جوانی کو کہتے ہیں۔ قرآن نے اس کی خود ہی وضاحت کر دی ہے جب کہا ہے کہ :

ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ○ 40/67

"تم پیدا ہوتے ہو تو بچے ہوتے ہو' پھر تم اپنی جوانی کو پہنچتے ہو' پھر بوڑھے ہو جاتے ہو۔"

اس سے ظاہر ہے کہ "اَشُدّ" بچپن اور بڑھاپے کا درمیانی حصہ ہے اور وہ جوانی کا زمانہ ہوتا ہے

جہاں تک اسلامی اصولوں کا تعلق ہے' پاکستان کا دستور یقیناً" ان کا آئینہ دار ہو گا۔ لیکن اسے سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام کے اصول غیر متبدل رہتے ہیں لیکن ان کی جزئیات' تفصیلات اور طریقے حالات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ ان جزئیات کو ہمارے موجودہ حالات کے مطابق مرتب ہونا چاہئے۔

اسلامی نظام کی صحیح تعبیر یہی ہے۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ جس ملک (یا قوم میں) اس قدر مذہبی فرقے ہوں اس میں ایک متفق علیہ اسلامی آئین کس طرح مرتب اور نافذ کیا جا سکتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ پاکستان میں کئی مذہبی فرقے ہیں اور ان میں باہمی اختلافات بھی ہیں لیکن ان سب میں (بلکہ دنیا کے تمام مسلمانوں میں) ایک چیز بطور قدر مشترک موجود ہے اور وہ ہے قرآن کریم۔ پاکستان (ہی کا نہیں بلکہ دنیا) کا کوئی مسلمان بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن کریم زندگی کے غیر متبدل اصول دیتا ہے جو ہر زمانے میں ہماری راہنمائی کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر ان اصولوں کو آئین پاکستان کی بنیاد قرار دے دیا جائے تو اس میں کسی کو بھی کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ بنا بریں مجوزہ آئین پاکستان کی بنیاد اس اصول پر ہونی چاہئے کہ

مملکت کا تمام کاروبار قرآن کریم کے متعین کردہ اصولوں کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے سرانجام پائے۔ یہ اصول غیر متبدل رہیں گے اور ان کی جزئیات میں حسب ضرورت تغیر و تبدل ہوتا رہے گا۔

اس کے ساتھ ہی ایک اور حقیقت کا سمجھ لینا بھی ضروری ہے' اور وہ یہ کہ قرآن کریم کی رو سے مملکت مقصود بالذات نہیں مقصود بالذات فرد ہے' اور مملکت فرد کی انفرادیت کے تحفظ اور اس کی ذات کے نشوونما کا ذریعہ ہے۔ اس مقصد کے لئے مملکت ان تمام زمہ داریوں کو پورا کرتی ہے جنہیں انسانوں کے ضمن خدا نے اپنے اوپر لے رکھا ہے۔ اس میں رزق کی بہم رسانی سب سے مقدم ذمہ داری ہے (دیکھئے قران کریم کی سورہ ہود آیت نمبر 6 اور سورہ انعام آیت نمبر 156)

اس لئے مجوزہ آئین پاکستان کی ایک شق یہ ہونی چاہئے جسے "بنیادی حقوق" کی فہرست میں شامل کیا جائے۔

مملکت ایسا انتظام کرے گی جس سے ہر فرد کو (اس کی اور اس کے بیوی بچوں کی) بنیادی ضروریات زندگی (مثلاً" روٹی' کپڑا' مکان' علاج وغیرہ) باطمینان ملتی رہیں اور کوئی شخص ان سے محروم نہ رہنے پائے نیز تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما کا پورا پورا انتظام ہو۔

ان بنیادی مقاصد کی روشنی میں آئین پاکستان مرتب کیا جائے۔

جو آئین قرآن کے ان اصولوں پر پورا نہیں اترے گا وہ یہاں کبھی کامیاب نہیں ہو گا۔ یہ قوم کے تحت الشعور (Genius) کا تقاضا ہے جس کی تسکین کسی اور آئین سے نہیں ہو سکتی۔ اصل یہ ہے کہ یہاں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ آئین پاکستان قرآن کریم کے اصولوں کے مطابق ہونا چاہئے یا ان کے خلاف۔ کسی شخص کا مسلمان ہونا ہی اس امر کا اعتراف اور اعلان ہے کہ اس کی زندگی کا نظام قرآن کے مطابق ہونا چاہئے لہٰذا آئین کمیشن کے لئے یہ سوال فیصلہ طلب نہیں کہ آئین پاکستان کی بنیاد قران کریم پر رکھی جائے۔ یا (معاذ اللہ) کسی اور اصول پر۔ ان کا فریضہ صرف یہ بتانا ہے کہ قران کریم کے ان اصولوں کو آئینی شکل کیسے دی جائے۔ اگر کمیشن نے اس بنیادی حقیقت کو اپنے سامنے رکھا تو وہ یقیناً ایسا آئین مرتب کر سکیں گے جو سب کے نزدیک قابل قبول اور قابل عمل ہو۔ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے' یہ ہر مسلمان کے دل کی آواز اور قوم کے مزاج کا تقاضا ہے۔ اگر یہ آئین اس تقاضا پر پورا نہ اترا تو وہ ناکام رہے گا اور قوم پر ابدی مایوسی چھا جائے گی۔ تاریخ کے طالب علم سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ جب کسی قوم پر اس طرح مایوسی چھا جائے تو اس کے نتائج کس قدر درد ناک اور عبرت انگیز ہوا کرتے ہیں۔ اس مقام پر اتنی مزید وضاحت بھی ضروری ہے کہ ایک چیز ہوتی ہے منزل مقصود' منتہی یا نصب العین' اور دوسری چیز ہوتی ہے اس نصب العین تک پہنچنے کا پروگرام۔ قرآنی اصول' مملکت اسلامیہ کا نصب العین متعین کرتے ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ جس مقام پر ہم اس وقت کھڑے ہیں وہاں سے نصب العین تک پہنچنے کے لئے وقت لگے گا۔ ہمارے آئین میں اس امر کی تصریح ہونی چاہئے کہ یہ ہمارا نصب العین ہے اور اس تک یوں بتدریج پہنچا جائے گا۔

آئینی شکل :- جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس کی روشنی میں مجوزہ آئین پاکستان کا پہلا باب حسب ذیل شقوں پر مشتمل ہونا چاہئے۔

(1) مملکت میں اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہو گا۔

(2) مملکت کوئی ایسا قانون وضع یا نافذ نہیں کرے گی جو قرآنی قوانین کے خلاف ہو۔

(3) جب کبھی عدالتی کارروائی میں یہ سوال پیدا ہو کہ مملکت کا فلاں قانون ' قرآنی قانون کے خلاف ہے تو عدالت متعلقہ کا فریضہ ہو گا کہ اس سوال کو ہائی کورٹ کے فیصلہ کے لئے پیش کرے۔

(4) اگر ہائی کورٹ کے نوٹس میں یہ بات آئے یا لائی جائے کہ اس قسم کا کوئی سوال کسی عدالت ماتحت میں اٹھایا گیا ہے تو وہ عدالت متعلقہ کو حکم دے سکتی ہے کہ اس معاملہ کو ہائیکورٹ کے پاس

لہٰذا نکاح کی عمر بلوغت یا جوانی ہے۔ نابالغ کا نکاح ناجائز ہے۔ بلوغت Adolescence یا Maturity کی تعریف قانون کی زبان میں یہ ہے کہ "یہ وہ عمر ہے جہاں پہنچنے پر ہر انسان' اپنے فیصلے خود کرنے کا حق حاصل کر لیتا ہے۔"

قرآنِ کریم نے نکاح کے لئے بلوغت کو لازمی شرط قرار دیا ہے اور بلوغت کے معنی ہیں وہ عمرٌ جہاں انسان اپنے فیصلے خود کرنے کا حق حاصل کر لیتا ہے' اس لئے اس کے لئے ولی سے اجازت حاصل کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

اس ضمن میں یہ بھی ارشاد ربّانی ہے کہ تمہارے لئے یہ حلال (جائز) نہیں کہ تم عورتوں کی مرضی کے خلاف ان کے مالک بن جاؤ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ○ 4/19

اور ظاہر ہے کہ رضامندی کا تو سوال ہی بالغ کی صورت میں ہوتا ہے' نابالغ کی صورت میں نہیں۔

لہٰذا اب صورتحال یوں ہوئی کہ:

1 قرآنِ کریم کی رُو سے مرد اور عورت کے نکاح کو ایک معاہدہ کہا گیا ہے اور اس کے لئے دونوں کی بلوغت کو لازمی شرط قرار دیا ہے۔

2 معاہدہ صرف دو بالغ اور عاقل انسانوں کے درمیان ہی ہو سکتا ہے۔

3 کسی بھی قانون کے تحت بالغ ہونے کے معنی ہیں' اس عمر کو پہنچنا جہاں انسان اپنے فیصلے خود کرنے کا اختیار حاصل کر لیتا ہے۔

4 چونکہ نکاح کے لئے عورت کی رضا مندی ضروری ہے اور رضا مندی صرف بالغ سے ہی لی جانی ضروری ہوتی ہے' اس لئے:

نکاح کے لئے' عورت کا ولی سے اجازت حاصل کرنے کی لازمی شرط کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہ الگ بات ہے کہ بالغ لڑکی' بطیبِ خاطر' اپنی طرف سے معاہدہ کی شرائط طے کرنے کے لئے' کسی کو اپنا مختار بنا دے اور قانون کی رُو سے یہ مختار نامہ بھی تحریری ہونا چاہئے۔

لاہور ہائی کورٹ کے ایک فاضل جج نے قرآنِ کریم کے ان احکامات کو پسِ پشت ڈال کر' محض ایک حدیث "لا نکاح الا بالولی" (جس میں کہیں اس کی تخصیص نہیں کہ یہ عورت کے ساتھ

مختص ہے۔ یہ مرد کے لئے بھی ہو سکتا ہے) اور کئی ایک مفروضوں کی بناء پر یہ فیصلہ صادر فرمایا ہے کہ :

"ولی کی اجازت کے بغیر، عورت کا نکاح باطل ہے"

فاضل جج نے اپنے فیصلہ میں مذکورہ بالا قرآنی آیت میں سے کسی ایک سے بھی استفادہ نہیں کیا اور اس کے برعکس، جن آیات کا فیصلہ میں ذکر ہے، ان کا موضوعِ زیرِبحث سے دُور کا بھی تعلّق نہیں۔

ہماری بصیرت کے مطابق فاضل جج نے قرآنِ حکیم کے صریح احکامات کو بالائے طاق رکھ کر فیصلہ کیا ہے۔

قرآنِ حکیم کے خلاف فیصلہ کرنے والوں سے متعلّق قرآنی ارشادات ہم شروع میں درج کر چکے ہیں۔

پس ہے کوئی جو عبرت حاصل کرے!

ولی کی اجازت کی دلیل اس آیت سے عام طور پر لائی جاتی ہے جس میں کہا ہے کہ **اَوْیَعْفُوَا الَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ** 2/237 اور عام طور پر اس کے معنی کئے جاتے ہیں کہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ کھولنے کا اختیار ہے۔ لیکن اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں نکلتا کہ وہ ولی ہو گا۔ اس کے معنی ہیں کہ نکاح کے وقت جسے اختیار دیا گیا ہے، یہ خاوند بھی ہو سکتا ہے اور بیوی بھی، جیسے آج کل نکاح نامہ میں بیوی کو بھی حقِ طلاق دیا جاتا ہے۔

سلسلہ وار درس قرآن کریم کا اہتمام (بذریعہ ویڈیو کیسٹ) مندرجہ ذیل مقامات پر کیا گیا ہے۔

شہر و مقام		دن	وقت
کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ زیب النساء سٹریٹ بالمقابل فٹ رائٹ شوز شاپ	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
حیدر آباد	12-B حیدر آباد ٹاؤن فیز 2 بالمقابل نسیم نگر قاسم آباد	جمعۃ المبارک بعد نماز عصر	

دعوت عام ہے تشریف لائیں

قرآنی لٹریچر۔ جملہ مطبوعات طلوع اسلام ٹرسٹ، مجلّہ طلوع اسلام کے تازہ شمارے درس کے دوران 35% رعایت کے ساتھ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

قیام پاکستان اور علامہ اقبالؒ

(ایک نشری گفتگو) ۲

(پرویز صاحب کا وہ انٹرویو جو پاکستان ٹیلی ویژن کے لاہور مرکز سے 84-11-7 کو نشر ہوا)

کمپیئرنگ کے فرائض ڈاکٹر صلاح الدین اکبر نے انجام دیئے۔

پیشکش محمد عظیم

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

آج کی اس نشست میں ہم جس محترم شخصیت سے گفتگو کر رہے ہیں' وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ علم و فکر کی دنیا میں ان کا ایک منفرد مقام ہے۔ قرآن پاک کی تعلیمات' اس پہ غور و فکر' تدبر و تفکر ان کی زندگی کا مشن ہے۔ فکر قرآنی کی جو شمع انہوں نے قریب قریب نصف صدی سے روشن کر رکھی ہے' اس کی شعاعیں اب دور دور تک پھیل رہی ہیں اور اس لحاظ سے ان کا مزید تعارف لاحاصل ہے۔ لیکن اقبالؒ اور فکر اقبالؒ سے ان کی وابستگی' قائداعظمؒ اور تحریک پاکستان سے ان کا تعلق' ان کی شخصیت کے کچھ ایسے پہلو ہیں جو ابھی تک عام لوگوں تک نہیں پہنچے۔

اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کی شخصیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ کسی معاملے میں اپنی تشہیر نہیں چاہتے۔ اس لئے میں بھی' تفصیل میں جائے بغیر' صرف اتنا عرض کروں گا کہ حیات اقبال میں جو پہلا اقبال ڈے منایا گیا تھا' اس میں دلی سے جو قافلہ آیا تھا' وہ آپ اور آپ ہی کے رفقاء پر مشتمل تھا۔ اور یہ کہتے ہوئے بھی میں یقیناً کسی راز سے پردہ نہیں اٹھا رہا کہ قائداعظمؒ سے' بغیر وقت مقرر کئے' اگر کوئی شخص مل سکتا تھا تو وہ آپ ہی تھے۔ پرویز صاحب' مفکر قرآن کے طور پر' ایک زمانے سے مشہور ہیں۔ آپ شارح اقبالؒ بھی ہیں اور تحریک پاکستان میں قائداعظم کے ساتھ انہوں نے دوش بدوش جو کام کیا اور نیشنلسٹ علماء کے مقابل میں جو قرآنی فکر دی' وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔

سوال۔ کیا آپ فرمائیں گے کہ اقبالؒ کا اسلامی مملکت کا تصور کیا تھا؟

جواب۔ ڈاکٹر صاحب! آپ کی تعارفی تحسین کا شکریہ ورنہ من آنم کہ من دانم۔ آپ کے سوال کے جواب تک آنے سے پہلے میں دو نکات کی وضاحت تمہیداً" ضروری سمجھتا ہوں۔ پہلا تو یہ کہ اقبال کی فکر کا سرچشمہ قرآن کریم تھا۔ انہوں نے جو کچھ سمجھا قرآن سے سمجھا' جو کچھ سمجھایا قرآن سے سمجھایا اور ان کا مسلک یہ تھا کہ

از تاک بادہ گیرم و در ساغر افگنم

قرآن کریم کی اہمیت اور عظمت ان کے سارے کلام میں بکھری پڑی ہے لیکن اس کو انہوں نے ایک شعر میں بڑی ہی برجستگی سے سمو دیا جب کہا کہ

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

اگر تم مسلمان کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو وہ قرآن کے سوا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔ دوسری بات جو میں پہلے تمہیدا" واضح کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اسلام اور مملکت کا باہمی تعلق کیا ہے۔ اقبال کا بہت بڑا احسان اور بہت بڑا عظیم کارنامہ میرے نزدیک یہ ہے کہ اسلام کے جتنے نظریات' تصورات' معتقدات متواتر چلے آرہے تھے اور جو ہمارے عہد ملوکیت میں وضع ہوئے تھےانہوں نے ان سب کو تبدیل کیا اور قرآن کے قالب میں ڈھالا۔ ان کے چھ خطبات پر مشتمل کتاب' اس کا عنوان بھی انہوں نے

Reconstruction of Religious thought in Islam

رکھا۔ یعنی اسلامی افکار کو ایک نیا قالب دیا جائے' اس کی تجدید کی جائے' اس میں ایک انقلاب پیدا کیا جائے' لیکن قرآن کی روشنی کے اندر۔ اس تغیر میں یا یہ جو افکار نو انہوں نے دیئے ان میں سرفہرست یہ ہے کہ اسلام مذہب نہیں دین ہے۔

مذہب اور دین کا فرق' ہماری تاریخ میں جہاں تک میری نگاہ کام کرتی ہے' اقبال کی پہلی شخصیت ہے جس نے اس کے متعلق امت کو شناسا کرایا۔ انہوں نے کہا کہ مذہب خدا اور بندے کے درمیان کچھ مبہم سا' پرائیویٹ سا تعلق ہے جسے ہر شخص اپنے طور پر پوجا پاٹ سے' رسم و رواج سے' شعائر سے' پرستش کے بہت سے انداز سے' سمجھتا ہے کہ قائم کر لیا ہے اور اس کا اس کے بعد دنیاوی معاملات سے تعلق نہیں ہوتا۔ انہوں نے کہا کہ اسلام یہ نہیں ہے۔ اسلام ایک ضابطہ حیات ہے جو انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی دونوں کو محیط ہے۔ اور جب اجتماعی زندگی آئے گی تو لازمی طور پر وہاں ایک ریاست یا ایک مملکت کا وجود ضروری ہو گا۔

انہوں نے 1930ء میں الہ آباد کے مقام پر جو پاکستان کا تصور پیش کیا اس کے خطبے کی ابتدا ہی میں یہ بات کہی تھی کہ یہ اسلام کا تقاضا ہے جو میرا مطالبہ ہے' ایک الگ خطہ زمین حاصل کرنے کا تاکہ وہاں مملکت قائم کی جائے اور انہوں نے یہ کہا تھا کہ اسلام اور مملکت لازم و ملزوم ہیں۔ اگر ایک ہے تو دوسرا بھی ہے اور' دوسری نہیں ہے تو نہ وہ اسلام رہے گا اور نہ مملکت اسلامی ہو گی۔ تو یہ چیز تھی جو انہوں نے پہلے ہی واضح کر دی کہ اسلام اور مملکت کا یہ باہمی تعلق ہے۔ اب اس تعلق کے بعد آپ فرمائیے کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔

سوال۔ یہ مملکت اسلامی کس طرح سے کہلائے

گی- دوسرے لفظوں میں اسلامی اور غیر اسلامی مملکت میں خط امتیاز کیا ہوتا ہے؟-

جواب- اس کے جواب میں اگر تفصیل میں جانا چاہیں تو اس پہ تو کئی ضخیم کتابیں لکھی جائیں گی- میں نے پچاس سال کے عرصے میں' جیسا کہ آپ کو علم ہے' میرا خیال ہے چالیس پچاس کتابیں لکھ ہی دی ہوں گی- وہ اس کی تشریح ہے بالواسطہ یا بلاواسطہ' کہ اسلامی مملکت کیا ہوتی ہے اور اس میں اور غیر اسلامی میں فرق کیا ہوتا ہے لیکن اقبالؒ نے تو اپنے انداز میں کہ جس کی مثال کہیں نہیں ملتی' جاوید نامہ کے ایک شعر کے اندر یہ بتا دیا کہ اسلامی مملکت میں کیا ہوتا ہے-

؎ کس دریں جا سائل و محروم نیست
عبد و مولا حاکم و محکوم نیست

کہ اس میں کوئی شخص نہ کسی کا دست نگر ہو گا نہ محتاج ہو گا- مملکت کی ذمہ داری ہو گی کہ وہ تمام افراد معاشرہ کی ضروریات زندگی کو پورا کرے اور اس میں کسی پہ احسان نہیں ہو گا- ہر فرد اپنے حق کے طور پر اسے اس سے حاصل کرے گا- اور دوسری بات یہ کہ وہاں نہ کوئی حاکم ہو گا اور نہ کوئی محکوم ہو گا- تو جس مملکت میں کوئی محتاج ہو نہ محکوم' اسے اسلامی مملکت کہا جائے گا- اور جس میں ان میں سے کوئی ایک چیز بھی ہو وہ غیر اسلامی مملکت ہو گی-

سوال- دیکھئے سائل و محروم پر تو ہم وقت ہوا تو بعد میں بات کریں گے' لیکن یہ جو آپ نے کہا کہ وہاں کوئی حاکم نہیں ہو گا کوئی محکوم نہیں ہو گا' تو کیا اس سے یہ سمجھا جائے کہ وہاں کوئی حکومت ہی نہیں ہو گی؟-

جواب- بظاہر ایسا ہی نظر آتا ہے' لیکن قرآن کریم نے دنیائے سیاست میں جو انقلاب برپا کیا اس کا سب سے اہم عنصر یہ بات تھی کہ کسی انسان کو حق حکومت حاصل نہیں ہے- وہ اسے تکریم انسانیت کے خلاف سمجھتا ہے کہ کوئی انسان یا انسانوں کا گروہ دوسرے انسانوں پر حکومت کرے- حکومت کا حق خدا کو حاصل ہے انسانوں کو حاصل نہیں- قرآن کریم میں بے شمار آیات اس نکتہ کی وضاحت کرتی ہیں مثلاً سورۂ آل عمران کی یہ آیت-

مَاكَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ○ (3/78)

کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں خواہ اس کے پاس ضابطہ قوانین ہو' خواہ انتظامیہ کی قوت موجود ہو اور اگلی بات غور طلب کہ خود وہ نبی بھی کیوں نہ ہو- اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسانوں سے کہے کہ تم خدا کے

نہیں میرے محکوم بن جاؤ'

آپ نے غور فرمایا کہاں تک بات پہنچ گئی ہے۔ نبی کو بھی اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ انسانوں کو اپنا محکوم بنائے۔ وہ اعلان کرتا ہے کہ

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (12/40)

حق حکومت صرف اللہ کو حاصل ہے۔

وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (18/26)

وہ اپنے اس حق حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ تو خدائے واحد کی حکومت جس میں کوئی شریک نہ ہو نام اسلامی حکومت ہے۔ اس میں شخصیتیں اس نے ختم کر دیں۔

سوال۔ پھر اس میں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ خدا تو انسان کے فہم و ادراک سے ایک بالاتر ہستی ہے۔ وہ تو کسی کی بات کا جواب نہیں دیتا۔ اسی طرح سے عام لفظوں میں' سنتا بھی نہیں۔ تو پھر اس کی حکومت کس طرح سے قائم ہو گی۔ کون یہ حکومت قائم کرے گا اور کون ان احکام کو بجا لائے گا؟۔

جواب۔ قرآن دنیا میں' جو انقلاب لایا ہے اس میں یہ چیز بھی بڑی اہم ہے۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی آج تک حکومت میں شخصیتیں ضرور ہوتی تھیں خواہ وہ شہنشاہیت ہو خواہ وہ آمریت ہو اور خواہ وہ آج کی مغرب کی جمہوریت ہی کیوں نہ ہو۔ اشخاص اس میں ضرور ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے کہا کہ حکومت اشخاص کی نہیں' حکومت قوانین کی ہو گی۔ رول آف لاء جسے آج کل کہتے ہیں تو جب یہ لاء (Law) کی حکومت ہو گی' تو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے قوانین جن کی رو سے اس نے اپنی حکومت قائم کرنی تھی' وہ بذریعہ وحی انسانوں کو دے دیے اور وہ اللہ کی کتاب کے اندر غیر متبدل' مکمل طور پر محفوظ چلے آرہے ہیں۔ چنانچہ نہ صرف یہ کہ اسلامی اور غیر اسلامی حکومت یا مملکت میں یہ خط امتیاز ہے بلکہ کفر اور اسلام میں' مومن اور کافر میں بھی یہی حد تمیز ہے۔ قرآن نے کہا ہے کہ

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (5/44)

"جو بھی خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے' انہی کو کافر کہا جاتا ہے"

تو کفر اور اسلام میں بھی یہی خط امتیاز اس نے کھینچا ہے نبی اکرمؐ کو بھی یہ حکم دیا گیا کہ

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (5/48)

"آپ حکومت قائم کیجئے لوگوں پر خدا کی کتاب کے مطابق۔"

یہ اسلامی مملکت قرآن کریم کی حکمرانی کا ایک ذریعہ تھی۔ قائداعظمؒ کے الفاظ میں' قرآن کے احکام و اقدار کو نافذ کرنے کی ایک ایجنسی ہی کا نام اسلامی مملکت ہے' فی ذاتہ اس کی اپنی کوئی حیثیت ہی نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک ذریعہ ہوتی ہے قرآن کے' (خدا کے) احکام اور قوانین کو نافذ کرنے کا۔ تو جب قرآن کریم کو نافذ کیا جائے گا اور اس کے مطابق حکومت قائم کی جائے گی تو وہ عملی صورت میں اللہ کی حکمرانی ہو گی۔

اس میں اشخاص نہیں ہوں گے' قوانین ہوں گے۔ قوانین اشخاص کے بنائے ہوئے نہیں ہوں گے' خدا کے بنائے ہوئے ہوں گے' غیر متبدل ہوں گے' محکم ہوں گے۔ اور قرآن محفوظ چلا آرہا ہے۔ اس

میں اگر انسانوں کا بنایا ہوا قانون شامل ہو جائے تو وہ شرک ہو جائے گا۔ وحی کے روشنی کے بغیر انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کی حکومت سیکولر کہلاتی ہے۔

اقبالؒ نے اس حکومت کو جو انسانوں کی بنا پر قائم ہو خواہ وہ قوانین کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو' اسے ملوکیت کہا ہے۔ ملوکیت کے معنی اقبالؒ کے ہاں صرف بادشاہت' شہنشاہیت ہی نہیں ہے' بلکہ کوئی حکومت خواہ وہ جمہوریت ہی کیوں نہ ہو' وہ اگر انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کی ہے تو اس کے نزدیک ملوکیت ہے۔ اس نے ملوکیت کے متعلق جو کچھ کہا ہے شائد آپ کو علم ہو۔ جرات کرتا ہوں کہ وہ پیش کر دوں۔ ارمغان حجاز کا وہ ایک قطعہ کہ:

ہنوز اندر جہاں آدم غلام است
نظامش خام و کارش ناتمام است
غلام فقر آں گیتی پناہم
کہ درویش ملوکیت حرام است

پوری دنیا کے متعلق کہہ رہا ہے' صرف مسلمانوں کے متعلق نہیں۔

یہ اعلان کرتا ہے وہ شخص۔ تو جب یہ کیفیت ہو جائے تو پھر وہ مملکت' اسلامی بنتی ہے۔ یہ ہے اقبالؒ کے نزدیک' ایک اسلامی مملکت کا تصور۔

سوال۔ کیا آپ یہ فرمائیں گے کہ ہندوستان میں اس وقت مسلمانوں کی کیا حالت تھی جب علامہ اقبالؒ نے ان کے لئے علیحدہ مملکت کا تصور دیا' کیا یہ مسلمانوں کی اقتصادی اور سماجی پسماندگی کا نتیجہ تھا یا اس میں کوئی اور عوامل کارفرما تھے؟

جواب۔ یہ ہمارے ہاں کی عجیب ستم ظریفی ہے' ڈاکٹر صاحب! کہ ایک قوم دس سال تک ایک مقصد کے حصول کے لئے دن رات ایک کر دے' بڑی بڑی عظیم قربانیاں اس کے لئے دے' دنیا بھر سے جنگ اور لڑائی مول لے' وہ مقصد حاصل ہو جائے تو بیٹھ کر سوچنے لگے یا پوچھنے لگے کہ ہم نے یہ مقصد حاصل کیوں کیا تھا اور پھر اس کے جواب میں بھانت بھانت کی بولیاں بولی چلی جا رہی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ یہ ہندو کی تنگ نظری تھی جس سے تنگ آکر ہم نے علیحدگی کا مطالبہ کیا۔ اگر وہ کشادہ ظرف ہوتا تو ہم کبھی علیحدہ نہ ہوتے۔ تو گویا ہندو اگر آج بھی کشادہ ظرف ہو جائے تو ہم آج بھی اس کے لئے تیار ہیں کہ اس سے کہیں کہ ناں بابا! ہم باز آئے اس سے۔ کوئی کہتا ہے کہ نہیں انگریز کی چال تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ ہندوستان کو Divide & Rule کے تابع الگ الگ کر کے دونوں کی قوت کو کمزور کر دیا جائے۔ یہ اس کی سازش تھی۔ کوئی کہتا ہے کہ نہیں صاحب یہ سارا اقتصادی مسئلہ تھا۔

گویا ہمارے ہاں کے جو بڑے بڑے سیٹھ تھے' ساہو کار تھے' ہندوستان میں ان کے لئے کوئی گنجائش نہ تھی۔ انہوں نے کہا کہ الگ مملکت ہی میں ہماری سرمایہ داری پروان چڑھ سکے گی۔ یہ سب بھانت بھانت کی بولیاں ہیں جو بولی جا رہی ہیں۔ نہ کوئی اقبالؒ سے پوچھتا ہے' نہ کوئی قائداعظمؒ سے معلوم کرتا ہے کہ آپ نے اس مملکت کا تصور کیوں دیا تھا اور اسے حاصل کیوں کیا تھا۔

اقبالؒ نے تو بہت پہلے 1930ء کے اپنے خطبے میں بتا دیا تھا۔

"اس مملکت سے اسلام کو اس امر کا موقع ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی ملوکیت کی وجہ سے اب تک اس پر قائم ہیں' اس جمود کو توڑ ڈالے جو اس کی تہذیب و تمدن' شریعت اور

تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے۔ اس سے نہ صرف ان کے صحیح معانی کی تجدید ہو سکے گی۔ بلکہ وہ زمانہ حال کی روح سے بھی قریب تر ہو جائیں گے۔ اس میں اہم نکتہ یہ ہے کہ اسلام پر جو عربی ملوکیت نے اپنا ٹھپہ لگا رکھا تھا اس کو دور کرنے کے لئے اس مملکت کی ضرورت تھی۔" اور وہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ملوکیت کے دور میں جو اسلام وضع ہو گا' وہ تو ملوکیت یعنی انسانوں کی حکومت' سرمایہ داری اور مذہبی پیشوائیت پر ہی مشتمل ہو گا۔ فرعون' ہامان اور قارون' یہی تین قوتیں ہیں جن سے ایک سیکولر حکومت متشکل ہوتی ہے۔

یہ چیز' قائداعظمؒ نے چند الفاظ کے اندر بڑے خوبصورت انداز میں بیان کی تھی۔ 1944ء میں وہ علی گڑھ یونیورسٹی کے طلبا کو خطاب کر رہے تھے تو یہی سوال ان کے سامنے آیا تھا' تو انہوں نے کہا تھا کہ آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبہ کا جذبہ محرکہ کیا تھا؟۔ مسلمانوں کے لئے ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی؟ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اور جواب خود ہی دیا کہ اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے نہ انگریز کی چال' یہ اسلام کا بنیادی تقاضا ہے۔

• غیروں نے اس کے متعلق ہو سکتا ہے یہی سمجھا ہو' لیکن اقبالؒ نے وضاحت کی اور قائداعظمؒ اس کو دہراتے چلے گئے۔ اور یہی ایک جذبہ محرکہ تھا' یہی تقاضا تھا' یہی اس مطالبے کی بنیاد تھی' یہی پس منظر تھا۔ اس کے علاوہ جو کچھ کہا جائے گا' وہ نہ اقبالؒ نے کہا' نہ قائداعظمؒ نے' نہ وہ اسلامی ہو سکتا ہے۔ تو اس مملکت کے اندر جب ملوکیت کا ٹھپہ اترے گا تو کیا کیا چیزیں باقی نہیں رہیں گی۔ انسانوں کی حکومت باقی نہیں رہے گی اس کی کوئی شکل بھی کیوں نہ ہو۔ نظام سرمایہ داری باقی نہیں رہے گا اور مذہبی پیشوائیت باقی نہیں رہے گی۔ یہ تینوں چیزیں صدر اول کے اسلام میں نہیں تھیں۔ ان کا نام بھی کہیں نہیں ملتا۔ یہ ساری ملوکیت کے دور میں وضع ہوئیں اور پھر ان کو اسلام کا پیرہن پہنایا گیا اور اس قبا کو لئے ہوئے یہ ہزار سال سے ہمارے پاس متواتر چلا آرہا تھا کہ اقبالؒ نے آکر یہ بات کہی کہ یہ ملوکیتی اسلام ہے۔ یہ صدر اول کا' قرآن کا یا خدا کا اسلام نہیں ہے۔ یہ تھی وہ خصوصیت جس کی بنا پر مطالبہ پاکستان کا کیا گیا اور پاکستان کو حاصل کیا گیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اپنی مملکت میں مسلمانوں کی معاشرتی' معاشی اور اقتصادی حالت بہتر ضرور ہو جاتی ہے لیکن یہ مقصود بالذات نہیں تھا۔

یہ تو اپنی مملکت کا وہ ہے جسے "چونگے دا سودا کہندے نیں پنجابی وچ" یا جسے سائنس کی زبان میں Byeproduct کہتے ہیں۔ اقبالؒ نے جو کہا تھا 1930ء میں کہ اگر اسلام ہے اور اپنی مملکت نہیں ہے تو اسلام نہیں ہے اور مملکت ہے تو اسلام اس کے اندر نہیں ہے تو مملکت اسلامی نہیں ہے' تو یہ اس تقاضے کی بنا پر مطالبہ کیا گیا تھا پاکستان کا۔

سوال۔ بے شک' پاکستان کا تصور تو علامہ اقبالؒ نے دیا' لیکن اسے حاصل کیا قائداعظمؒ نے۔ اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ قائداعظمؒ' ایک عمر' نیشنلسٹ خیالات کے حامل رہے اور جس وقت علامہ اقبال نے پاکستان کا تصور دیا تھا اس وقت وہ ہندوستان کے حالات سے مایوس' انگلستان میں بیٹھے ہوئے تھے' تو ان کے خیالات میں یہ انقلاب کس طرح سے واقع ہوا؟۔

جواب۔ ہاں ڈاکٹر صاحب! ہماری قوم کے جہاں اور بہت سے المیے ہیں ان میں ایک المیہ یہ بھی ہے کہ آج تک ہمارے ہاں نہ تو تحریک پاکستان کی کوئی مستند کتاب لکھی گئی اور نہ ہی قائداعظمؒ یا اقبالؒ کے سوانح حیات قابل اعتماد طور پر مستنبط کئے گئے۔ ان کی عدم موجودگی میں، مختلف اشخاص کے نام لیے جاتے ہیں اور اس کے لئے کچھ تردید کا ذریعہ ہی نہیں ہوتا۔ جو جس کے جی میں آئے وہ کہہ دے۔ تو ہمیں اس سوال کے جواب کے لئے، بہرحال، قرائن اور شواہد پر ہی انحصار کرنا پڑتا ہے یا کہیں سے کوئی ایسی چیز تائید میں مل جائے جسے تاریخی کہا جا سکے۔ اقبال کی عظمت میں بھی ہے کہ، بایں ہمہ بالغ نظری، وہ اپنے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں تھا۔ وہ اپنی حدود استطاعت سے بخوبی واقف تھے وہ جانتا کہ اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے جس کے لئے مطالبہ پاکستان کیا گیا تھا، جس قسم کی قائدانہ سیاسی اور تنظیمی صلاحیتوں اور خصوصیتوں کی ضرورت ہے، یا تو وہ ان کا حامل نہیں اور یا اس کی گرتی ہوئی صحت اور مضمحل توانائی اس کش مکش کی حریف نہیں ہو سکتی جو اس کے لئے ناگزیر تھی۔ اس بنا پر، اس کی نگہ بصیرت، ایک ایسی شخصیت کی تلاش میں نکلی جو اس فریضہ سے عہدہ برآ ہونے کی سکت رکھتا ہو اور اس مقام پر پہنچ کر انسان واقعی ورطہ حیرت میں گم ہو کر رہ جاتا ہے کہ اس کی نگہ تجسس جا کر ٹکی تو کس شخصیت پر۔ اس شخصیت پر جس کے متعلق آپ نے خود ہی اپنے سوال میں، فرما دیا کہ جس کی ساری زندگی اقبالؒ کے نظریات اور تصورات کے یکسر خلاف تھی۔ یہ شخصیت تھی محمد علی جناحؒ کی، جس کا نظریہ نیشنلزم، عقیدہ نیشنلزم اور عمل نیشنلزم تھا۔ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں پر مشتمل متحدہ قومیت کا علم بردار اور وطنی جمہوریت کا داعی تھا۔ جس کی ساری زندگی انہی وادیوں کی دشت پیمائیوں اور صحرا نوردیوں میں گزری تھی۔ اور جب وہ اپنی تگ و تاز میں ناکام رہ گیا تو بجائے اس کے کہ اپنے نظریات میں تبدیلی کر لے، وہ دل برداشتہ ہو کر، وطن سے دور، انگلستان جا بیٹھا اور مستقل طور پر وہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ اقبالؒ کی نگہ دور رس نے اس مقصد کے حصول کے لئے، جو جناح کے مسلک کے یکسر خلاف تھا، جناحؒ کا انتخاب کیا اور انتخاب کیا تو اس حتم و یقین کے ساتھ کہ انہیں ایک خط میں لکھا کہ:

"میں جانتا ہوں کہ آپ بہت مصروف انسان ہیں، لیکن مجھے معلوم ہے کہ میرا آپ کو بار بار لکھنا گراں نہیں گزرتا ہو گا۔ میرے اس تکرار اور اصرار کی وجہ یہ ہے کہ میری نگاہوں میں اس وقت ہندوستان بھر میں آپ ہی وہ واحد مسلمان ہیں جس کے ساتھ ملت کو اپنی یہ امیدیں وابستہ کرنے کا حق ہے کہ آپ اس طوفان میں جو یہاں آنے والا ہے، اس کی کشتی کو صحیح اور سالم، باامن و عافیت ساحل مراد تک لے جائیں گے، یہ جو اقبال کے خطوط جناحؒ کے نام ہیں اور جن کا Introduction خود قائداعظمؒ نے لکھا تھا، اس میں یہ خط شامل ہے۔ ظاہر ہے کہ مسٹر جناحؒ (قائداعظمؒ تو بعد میں بنے، عرض کروں گا اس زمانے میں چونکہ مسٹر جناحؒ ہی تھے میں انہی الفاظ سے یہ وضاحت پیش کروں گا) کہ انہوں نے جو نیشنلزم کے نظریات اختیار کئے تھے اور جن کے مطابق اپنی زندگی بسر کی تھی، انہوں نے انہیں کسی کانگریسی لیڈر کی اندھی تقلید کی بنا پر اختیار نہیں کیا تھا۔ وہ ان کی عمر بھر کی سوچ بچار کا نتیجہ تھے۔ وہ

ان کے حق میں جو دلائل دیتے تھے ان کی اس زمانے کی تقاریر اور بیانات ان سے لبریز ہیں۔ ان نظریات کو ترک کر کے ان کی جگہ ان نظریات کو اختیار کرنا جن کے مطابق انہوں نے تحریک پاکستان کی لڑائی لڑی اور مذہب کی زبان میں' یوں سمجھئے' گویا کفر کو چھوڑ کر اسلام لانے کے مرادف تھا۔ جو لوگ جناحؒ کے مزاج سے واقف اور ان کی سیرت سے آشنا ہیں' (کچھ مجھے بھی اس کی سعادت حاصل ہے جیسا آپ نے تعارف میں ارشاد فرمایا) وہ جانتے ہیں کہ جناحؒ کو ایسی بنیادی تبدیلی کے لئے سوچنے پر آمادہ کرنا ہی نہیں' بلکہ ان میں ایسی تبدیلی پیدا کرنا کسی عام شخصیت کا کام نہیں ہو سکتا تھا۔ ایسا انقلاب' کوئی ایسی شخصیت ہی پیدا کر سکتی تھی جو علمی اور فکری سطح پر بھی جناحؒ سے زیادہ قد آور ہوتی اور جس کے خلوص اور دیانت پر جناحؒ کو کامل اعتماد بھی ہوتا۔ آپ اس دور کی فضا پر گہری نگاہ ڈالئے' اقبالؒ کے سوا کوئی شخصیت اس معیار پر پوری نہیں اترتی۔ اقبالؒ ہی تھا جو جناحؒ کے قلب و نگاہ میں اس قسم کی تبدیلی پیدا کرنے میں کامیاب ہو سکا۔ حسن اتفاق سے اس کی تائید میں ہمیں ایک شہادت بھی ملتی ہے اور وہ بھی کسی مسلم لیگی یا پاکستانی کی نہیں' بلکہ ایک غیر مسلم انگریز کی۔ آپ کو تو معلوم ہے کہ مسٹر ہیکٹر بولیتھو نے قائداعظمؒ کی سوانح عمری لکھی ہے جس کا نام ہی 'جناح' ہے وہ اس میں لکھتا ہے کہ "مسٹر جناحؒ نے لندن میں سر محمد اقبال سے بہت سی ملاقاتیں کیں۔ وہ بڑے اچھے دوست تھے۔ مسٹر جناح اگرچہ اپنے سابقہ سیاسی مسلک کے متعلق اب کسی غلط فہمی میں نہیں تھے۔ بایں ہمہ' وہ اقبال کے دلائل سے اتنی جلدی متفق نہیں ہوئے۔ اس میں قریب دس سال کا عرصہ لگ گیا۔" میں سمجھتا ہوں یہاں غلط فہمی ہوئی ہے ہیکٹر کو۔ دس سال کا نہیں کم عرصہ لگا تھا۔ بہرحال' وہ کہہ یہ رہا ہے کہ اس میں قریب دس سال کا عرصہ لگ گیا کہ مسٹر جناح نے اعتراف کیا کہ ہندوستان کی سیاست کے گہرے مطالعہ کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچ گئے ہیں کہ اقبال کا نقطہ نظر صحیح ہے۔ اس تبدیلی فکر و نظر کے بعد' مسٹر جناح واپس وطن آئے تو ہیکٹر بولیتھو نے ان کی اس وقت کی کیفیت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے :

"مسٹر جناح اپنے بمبئی کے مکان میں بالکل تنہا تھے۔ ان کے پاس کوئی ذاتی سٹاف نہیں تھا' حتیٰ کہ کوئی سیکرٹری بھی نہیں جو ان کے خطوط کی نقلیں رکھ سکتا اور ان کے کاغذات کو باقاعدہ فائل کئے جاتا۔ اس بے قاعدگی کے باوجود ان کے دراز میں خطوط کا ایک ایسا بنڈل تھا جن سے وہ تسکین خاطر حاصل کیا کرتے تھے۔ یہ وہ خطوط تھے جو علامہ اقبال نے انہیں انگلستان میں 1932ء میں کی گئی ملاقات کے بعد لکھے تھے۔ اقبال نے 28 مئی 1937ء کے خط میں لکھا تھا کہ ہندی مسلمانوں کے مسائل کا واحد حل یہی ہے کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے' انہیں باقی ماندہ ملک سے الگ کر کے' ان میں آزاد مملکت یا مملکتیں قائم کر دی جائیں۔ کیا آپ کا خیال نہیں کہ اس کے لئے مناسب وقت آن پہنچا ہے"۔ آپ سوچئے کہ اقبالؒ کے خطوط کا وہ بنڈل جس کی طرف بولیتھو نے اشارہ کیا ہے' ملت کے لئے کس قدر متاع گراں بہا تھا۔ لیکن وائے بر حال ما' کہ ان خطوط کا کوئی پتہ نشان نہیں ملتا' نہ ان خطوط کا جو قائداعظمؒ نے جواب میں لکھے تھے۔ "اقبالؒ کے خطوط جناحؒ کے نام" کا مجموعہ شائع ہوا ہے' اس میں مئی 36ء

سے نومبر 37ء تک کے چند خطوط ہیں۔ مسٹر بولیتھو جن خطوط کا ذکر کرتا ہے وہ 1932ء اور 1936ء کے درمیانی عرصہ کے ہیں۔ مسٹر بولیتھو نے جو کچھ لکھا ہے' قرائن اس کی تائید کرتے ہیں کہ یہ اقبالؒ کی جناحؒ کے ساتھ ملاقاتوں اور گم گشتہ خط و کتابت کا نتیجہ تھا جو جناحؒ کے نظریات میں ایسی انقلابی تبدیلی کا موجب بنے اور قائداعظمؒ کی اس سیرت سے دنیا واقف ہے' میں بھی واقف ہوں کہ جب وہ کسی بات کو سچ سمجھ کر اختیار کر لیتے تھے تو پھر ان کو یہ خیال کبھی نہیں ستاتا تھا کہ دنیا اس کے متعلق کیا کہتی ہے۔ وہ بڑے ہی بلند اصولوں کے انسان تھے۔ جب انہوں نے یہ دیکھا تو اسی ہندوستان میں جہاں اب تک' بمبئی میں' جناح کانگریس ہال موجود ہے' اسی ہندوستان میں واپس آکر اپنی پچھلی زندگی کی ساری متاع گراں بہا' یوں کہئے کہ رود بار انگلستان میں ڈبو دی اور ایک نیا سفینہ حیات لے کر پاکستان میں یا اس زمانے کے ہندوستان میں آگئے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ پاکستان ٹائمز کی 14ء اگست 1967ء کی اشاعت میں' محترم بادشاہ حسین صاحب نے' 1936ء میں' اقبالؒ کے ساتھ اپنے انٹرویو کا ذکر کیا تھا۔ اس میں انہوں نے علامہ سے پوچھا "کیا آپ نے مسٹر جناحؒ کو قریب سے دیکھا تھا؟ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا "ہم نے اکثر اوقات' تقریباً تمام اہم مسائل پر خط و کتابت کے ذریعے' عملاً گفتگو کی ہے اور ہم نے ملاقاتوں کے ذریعے بھی تفصیل سے باہمی تبادلہ خیالات کیا ہے اور انہی کا نتیجہ تھا کہ مسٹر جناحؒ اپنے تمام نظریات کو تبدیل کر کے' اسلام اور پاکستان کے اس نظریے کی طرف آگئے جو میں نے پیش کیا تھا"۔ یہ اقبال کی خود اپنی شہادت بھی ہے۔ یہ جو ملاقاتیں کہا گیا ہے نا' ان میں سے ایک ملاقات تو بڑی دلچسپ ہے اور جی نہیں چاہتا کہ میں اپنی اس وضاحت میں اس سے آپ کو اور باقی سامعین کو بھی محروم رکھوں۔ اپریل 1936ء ہی کا ذکر ہے کہ قائداعظمؒ علامہ اقبالؒ کو ملنے کے لئے لاہور تشریف لائے تھے۔

اتفاق سے وہاں ہفتہ وار اخبار Truth کے مدیر فضل کریم خاں درانی مرحوم بھی موجود تھے۔ مجھے ان سے بھی تعارف تھا' عجیب انسان تھے۔ انہوں نے اس ملاقات کا منظر کچھ اس طرح پیش کیا ہے۔ "مسٹر جناحؒ اپنی روائتی جامہ زیبی اور خوش پوشاکی کا ایک دل آویز مرقع بنے تشریف لائے۔ اعلیٰ درجے کی ولایتی دکان کا سلا ہوا بیش قیمت سوٹ پہن رکھا تھا اور چال جیسے کڑی کمان کا تیر۔ (وہ تو ہم جانتے ہی ہیں آپ کی وہ چال) ادھر ڈاکٹر صاحب کی درویشی اور بے نیازی کا یہ عالم کہ جسم پر سوائے بنیان اور دھوتی کے کچھ نہ تھا۔ جب گفتگو شروع ہوئی تو ڈاکٹر صاحب نے امداد کا پورا پورا وعدہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر آپ اودھ کے تعلقہ داروں یا بمبئی کے کروڑ پتی سیٹھوں کی قسم کے لوگ پنجاب میں تلاش کریں گے تو یہ جنس میرے پاس نہیں۔ میں صرف عوام کی مدد کا وعدہ کر سکتا ہوں اور درانی مرحوم کی روایت ہے کہ یہ سن کر مسٹر جناحؒ کرسی سے دو انچ اوپر اٹھے اور بڑے جوش سے کہنے لگے "مجھے صرف عوام کی مدد کی ضرورت ہے" یہ تھے ڈاکٹر صاحب ! اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے باہمی تعلقات۔ میں سمجھتا ہوں کہ اقبالؒ کے جو اور احسانات ملت کے اوپر ہیں' ان کو ایک طرف بھی رکھ دیا جائے' تو ان کا یہ احسان کہ وہ اس مقصد کے حصول کی خاطر قائداعظمؒ جیسی شخصیت کو

Convert کر کے اس مقصد کے لئے یہاں لے آئے' میں سمجھتا ہوں کہ یہ اتنا بڑا احسان ہے کہ جس سے یہ ملت کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ میں تو کہوں گا کہ اس کے بعد ملت اگر اقبالؒ کے حضور یہ اپنا نذرانہ پیش کرے کہ

؎ زندگی آپ کی نوازش ہے
ورنہ ہم کب کے مر گئے ہوتے

یہ نوازش اگر اقبالؒ کی نہ ہوتی تو ڈاکٹر صاحب! صحیح جانئے' ہم کب کے مر گئے ہوتے۔ میری تو ساری عمر انہی وادیوں میں گزری ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس کے بعد ہمارا حشر کیا ہوتا۔ یہ تھے اقبالؒ اور جناحؒ کے باہمی تعلقات۔

سوال۔ یہ جو آپ نے فرمایا قائداعظمؒ کو یہاں لانا یہ ہماری بہت بڑی خوش بختی تھی کہ علامہ اقبالؒ کی نظر قائداعظمؒ پر پڑی اور قائداعظمؒ کو انہوں نے Convince کیا اور قائداعظمؒ واپس آئے اور اس تحریک کی انہوں نے قیادت سنبھالی۔ اس کے علاوہ' تحریک پاکستان میں اور مسلم لیگ میں' آپ کہئے' کہ ان کی کیا خدمات ہیں عملی سیاست کے حساب سے' اس پر آپ کچھ روشنی ڈالیں؟۔

جواب۔ اگر Activities میں حصہ لینے سے مراد یہی ہے جو ہمارے ہاں سیاسی سرگرمیاں ہوتی ہیں' ہنگامہ آرائیاں' غوغہ آرایاں یہ سارا کچھ' تو یہ اقبالؒ کی فطرت کے خلاف تھا۔ وہ نہیں کہ اپنی فکر میں ہی ایک گوشہ نشین متین سے انسان تھے لیکن عملی زندگی میں بھی جتنی خدمات انہوں نے مسلم لیگ کی' اور پاکستان کی اور قوم کی (پاکستان کا تو خیر بعد میں نام آیا تھا) جتنی بھی خدمات انہوں نے کیں۔ وہ نہایت متانت سے' خاموشی سے' بغیر کسی قسم کی نمود کے' بغیر کسی قسم کے جوش و خروش کے' سرانجام دیں۔ یہ بادشاہ حسین نے جن کے انٹرویو کا ذکر میں نے کیا ہے' آپ سے 1936ء میں کیا تھا۔ انہوں نے یہ لکھا تھا کہ

"میں نے علامہ اقبال سے یہ کہا کہ آپ اب سیاست میں کس جذبہ محرکہ کے تحت داخل ہوئے ہیں؟ یعنی انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ سیاست میں 36ء میں داخل ہوئے تھے۔ علامہ نے فرمایا کہ "میرے سیاست میں داخل ہونے سے آپ کا کیا مفہوم ہے؟ میں پہلے بھی میدان سیاست میں تھا' اب بھی ہوں۔ مسلمانوں کی فلاح و بہبود میری زندگی کا مشن ہے۔ کیا یہ سیاست سے کوئی مختلف چیز ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ میں عوامی راہنما نہیں رہا تو یہ بھی غلط فہمی ہے۔ میں نے اپنے کلام سے مسلمانوں کے سیاسی شعور کو بیدار کیا ہے۔ کیا میں نے مسلمانوں میں کہتری یا کمتری کے غلط احساس کو ختم نہیں کیا؟ کیا میں نے یہ تلقین نہیں کی کہ مسلمان مجاہد ہوں؟ کیا میں نے انجام کار' اس برصغیر کے مسلمانوں کے لئے ایک الگ وطن کا تصور نہیں دیا؟" اور میں یہ عرض کر دوں کہ یہ قرآن کے پروگرام کے عین مطابق تھا۔ قرآن نے یہ کہا ہے کہ جب تک کسی قوم کی ذہنیت نہیں بدلتی' اس قوم کے خارجی حالات میں کبھی تبدیلی نہیں پیدا ہوتی۔ اور یہ قوم کی ذہنیت کو بدلنے میں اقبالؒ کا اور یہ واحد اقبال ہے جس کا اتنا بڑا گراں قدر حصہ ہے۔ اس میں کوئی شریک نہیں۔ کیا کہہ گیا ہے وہ شخص کہ۔

؎ جہانے رادگر گوں کرد یک مردے خود آگاہے

اور اگر خدمات کا عملی سلسلہ لیا جائے' عام معیار کے مطابق بھی' تو یہ سلسلہ دراز تو 1908ء سے شروع ہوتا ہے' ڈاکٹر صاحب! جب وہ طالب علمی حیثیت

میں لندن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس زمانے میں' سید امیر علی مرحوم نے' آل انڈیا مسلم لیگ کی برٹش کمیٹی کی تشکیل کی تھی تو ڈاکٹر اقبالؒ اس کی مجلس عاملہ کے رکن منتخب ہوئے تھے۔ 1908ء میں اور 1938ء تک ان کی ساری زندگی جو ہے وہ اسی شاہراہ پر چلتے ہوئے گزری تھی۔ اس کے لئے ہمارے پاس' میں نے عرض کیا تھا کہ بہت کتابیں ہیں لیکن اتفاق سے ایک کتاب میری نظر سے گذری۔ محمد احمد خاں صاحب کی ایک کتاب ہے "اقبالؒ کا سیاسی کارنامہ" ہزار صفحے کی بڑی تقطیع کی کتاب' ہزار صفحے کی اور اس میں اقبالؒ کی زندگی کے سیاسی کارناموں کا تذکرہ شائع ہوا ہے۔ اتنے تھے زیادہ تعداد میں وہ کارنامے۔ ان کی عظمت کی تو اور بات ہے۔ اور عاشق حسین بٹالوی کی وہ کتاب "اقبالؒ کی زندگی کے آخری دو سال" عجیب و غریب چیز ہے۔ حالت کیا تھی' بینائی جا چکی تھی۔ گلا بند ہو چکا تھا۔ ضیق النفس کے حملے اس شدت سے ہوتے تھے کہ ہم نے دیکھا کہ اس میں وہ بالکل نیم مردہ ہو جایا کرتے تھے' بے ہوش ہو جایا کرتے تھے۔ یہ آخری دو سال تھے اقبالؒ کے اور اس آخری دور میں انہوں نے عملی سیاست میں وہ کارنامے سرانجام دیئے اور پنجاب میں مسلم لیگ کو زندہ کیا' یونینسٹ جیسی جماعتوں کو شکست فاش دی۔ یہ سارا کچھ اس حالت میں کیا کہ وہ چند سانس بھی آسانی سے نہیں لے سکتے تھے۔ یہ تھی عملی زندگی اقبالؒ کی۔ میں ابھی عرض کروں گا کہ خود قائداعظمؒ نے بھی اس کا اعتراف کیا کہ اقبالؒ۔۔۔۔۔

سوال۔ یہی تو میں پوچھنا چاہ رہا تھا کہ ریکارڈ تو افسوس ہمارے پاس ان خطوط کا نہیں ہے' ان میں شائد قائداعظمؒ نے علامہ اقبالؒ کو کہیں یہ لکھا ہو۔ کوئی ایسی تحریر' کوئی نہ کوئی واقعہ آپ کے ذہن میں ہو گا جس میں قائداعظمؒ نے خود اعتراف کیا ہو علامہ اقبالؒ کی خدمات کا یا ان کا جو رتبہ تھا اس کے متعلق کچھ کہا ہو؟

جواب۔ ڈاکٹر صاحب! کوئی نہ کوئی بات آپ کیا کہتے ہیں' اس کے تو انبار لگے ہوئے ہیں۔ اقبالؒ اور قائداعظمؒ جب ایک محفل میں' یوں کہئے' سامنے آتے ہیں' تو وہ جو کہتے ہیں کہ شاہاں بشاہاں بہ بخشند' اقبالؒ نے قائداعظمؒ کے متعلق کیا کچھ کہا اور قائداعظمؒ نے اقبالؒ کے متعلق کیا کچھ کہا' یہ تو ایک عجیب داستان ہے۔ کیوں نہ میں پہلے یہی عرض کروں کہ اقبالؒ نے قائداعظمؒ کے متعلق کیا کہا اور اس کے بعد پھر انہوں نے کیا کہا۔ مارچ 40ء میں' بزم اقبال کا سالانہ اجلاس تھا۔ میں عرض کروں آپ نے تو پہلا جو ہوا تھا Muslim Brotherhood کے زیر اہتمام 1938ء میں اس کا ذکر کیا تھا۔ یہ جو ایام اقبال تھے' مجھے سعادت حاصل ہے' میں ان میں شریک ہوا کرتا تھا۔ اس اجلاس میں' سر عبدالقادر مرحوم نے' علامہ اقبالؒ کے ایک خط کے کچھ حصے پڑھ کر سنائے جو انہوں نے ایک دوست کے خط کے جواب میں بستر علالت سے' 1935ء میں لکھا تھا۔ اس دوست نے علامہ کی صحت کی دعا کی تھی اور انہوں نے لکھا تھا:

"میرا وقت پورا ہو چکا ہے اور میرا پیغام ملت تک مکمل صورت میں پہنچ چکا ہے۔ میرے لئے صحت کی دعا مانگنے کی بجائے' آپ قائداعظمؒ محمد علی جناح اور کمالؒ اتاترک کے لئے درازئی عمر کی دعا کیجئے کہ انہیں ابھی اپنا مشن پورا کرنا ہے"۔ اللہ اکبر! 1935ء ہی میں' پنڈت جواہر لال نہرو ان سے ملنے کے لئے آئے۔ تو اب تو مرحوم ہیں میاں افتخار

الدین' کچھ کہنا نہیں چاہئے- زندہ ہوتے تو میں یہ کہتا کہ _____ (نہیں کچھ نہیں کہوں گا)---- وہ اقبال نہیں غالب کا شعر یاد آتا ہے-

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی
اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے

میں یہی کہوں گا کہ وہ ساتھ آگئے- جواہر لال نہرو اور علامہ اقبالؒ کی بڑی بلند پایہ سیاسی گفتگو ہو رہی تھی- تو میاں صاحب نے علامہ سے کہا کہ "علامہ صاحب! ہم تو جب موازنہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ آپ قائداعظمؒ سے کہیں آگے ہیں' تو آپ مسلم لیگ کی قیادت اپنے ہاتھ میں کیوں نہیں لے لیتے؟"_ اس پر لکھا ہے ان صاحب نے جو تھے وہاں گواہ کہ تمتما گیا چہرہ علامہ اقبالؒ کا- اٹھ کے بیٹھ گئے اس حالت کے اندر اور کہنے لگے کہ "میاں صاحب! کیا آپ مجھے قائداعظمؒ سے بھڑانا چاہتے ہیں؟"- الفاظ تھے کہ میں تو مسٹر جناحؒ کا ایک معمولی سپاہی ہوں" اقبالؒ مسٹر جناحؒ کا معمولی سپاہی ہے- اور اب آیئے- قائداعظمؒ نے اقبالؒ کے متعلق کیا کہا- اقبال کے متعلق انہوں نے (ان کی وفات پر جو تعزیت کا پیغام بھیجا تھا) اس میں انہوں نے کہا تھا کہ "مجھے سر اقبالؒ کی وفات کی خبر سن کر سخت رنج ہوا- وہ عالمی شہرت کے ایک نہایت ممتاز شاعر تھے اور ان کی شہرت اور ان کے کام ہمیشہ زندہ رہیں گے- ملک اور مسلمانوں کی انہوں نے اتنی بہت سی خدمات سرانجام دی ہیں کہ ان کے ریکارڈ کا مقابلہ عظیم ترین ہندوستانی لیڈر کے ریکارڈ سے کیا جا سکتا ہے جو کبھی پیدا ہوا ہو- حال تک وہ خود پنجاب کی مسلم لیگ کے صدر تھے' جبکہ ایک غیر متوقع علالت نے انہیں استعفیٰ پر مجبور کر دیا- وہ کل ہند مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام کے حامل تھے- اور اگلے الفاظ میں جن کی خاطر میں نے اس پیغام کو دہرایا کہ "میرے لئے وہ ایک رہنما تھے- (انگریزی میں Guide کہا ہے' قائداعظمؒ انہیں اپنا Guide یا رہنما تصور کرتے تھے)- دوست اور فلسفی- تاریک ترین لمحوں میں جن میں سے مسلم لیگ کو گزرنا پڑا' وہ چٹان کی طرح قائم رہے اور ایک لمحے کے لئے بھی کبھی متزلزل نہیں ہوئے"-

دسمبر 1938ء میں' آل انڈیا مسلم لیگ پٹنہ کے اجلاس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ "علامہ اقبالؒ کی وفات مسلمانان ہند کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے- مسلم لیگ ان کی وفات پر پہلے ہی اظہار تعزیت کر چکی ہے- وہ میرے ذاتی دوست تھے اور ان کا شمار دنیا کے عظیم شاعروں میں ہوتا ہے- وہ اس وقت تک زندہ رہیں گے جب تک اسلام زندہ رہے گا- (اللہ اکبر) ان کی بلند پایہ شاعری مسلمانان ہند کی تمناؤں اور آرزوؤں کی ترجمان ہے- وہ ہمارے اور ہماری آنے والی نسلوں کے دلوں میں تازہ روح پھونکتی رہے گی"-

اور انہوں نے 1940ء کے یوم اقبال کی صدارت کرتے ہوئے' جس کا میں نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے' یہ کہا تھا کہ اقبالؒ میرا پرانا دوست تھا- آپ جانتے ہیں کہ آل انڈیا مسلم لیگ ابتدا میں ایک نظری سی (Academic) جماعت تھی- 1936ء میں' ہم میں سے بعض نے خیال کیا کہ اس جماعت کو صحیح پارلیمانی جماعت میں بدل دیا جائے- جب میں اپریل 1936ء میں پنجاب آیا تو پہلا شخص جسے میں ملا' وہ اقبالؒ تھا- میں نے اپنے خیالات ان کے سامنے پیش کئے- انہوں نے فوراً لبیک کہا اور اس وقت سے

تادم مرگ وہ میرے ساتھ مضبوط چٹان کی طرح کھڑے رہے۔ علامہ اقبالؒ عظیم انسان اور بلا شبہ' بہت بڑے فلاسفر تھے۔ جب تک مشرقی زبانیں موجود رہیں گی' اقبالؒ کا کلام زندہ رہے گا۔ وہ خود ہندوستانی تھے لیکن دنیا میں شاعر اعظم کی حیثیت سے متعارف تھے۔ انہوں نے مسلم سیاسی شعور بیدار کرنے میں گراں بہا خدمات سرانجام دیں"۔ اور اس کے بعد کہا تھا کہ "شعراء قوم میں زندگی پیدا کرتے ہیں۔ ملٹن' شیکسپیئر' بائرن وغیرہ نے قوم کی بے بہا خدمات کی ہیں' لیکن جہاں تک اسلام کا تعلق ہے' اقبال نے سب سے زیادہ خدمت کی ہے۔ کارلائل نے شیکسپیئر کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے (بڑی گہری بات ہے ڈاکٹر صاحب!) ایک انگریز کا ذکر کیا ہے کہ اسے جب شیکسپیئر اور دولت برطانیہ میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا تو اس نے کہا کہ "میں شیکسپیئر کو کسی قیمت پر نہ دوں گا' اور قائداعظم نے کہا گو میرے پاس سلطنت نہیں' لیکن اگر سلطنت مل جائے اور اقبالؒ اور سلطنت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی نوبت آئے تو میں اقبالؒ کو منتخب کروں گا"۔

اور 1941ء کے یوم اقبال کی تقریب میں' تقریر کرتے ہوئے فرمایا "کہ میں اس تقریب "یوم اقبال" میں شامل نہ ہوتا تو اپنی ذات کے ساتھ بڑی ناانصافی کرتا۔ میں اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ مجھے اس جلسے میں شریک ہو کر اقبالؒ کو عقیدت کے پھول پیش کرنے کا موقع ملا ہے۔ اقبالؒ کی ادبی شہرت عالم گیر ہے کہ وہ مشرق کے بہت بڑے بلند پایہ شاعر اور مفکر اعظم تھے۔ مرحوم دور حاضر میں اسلام کی تاریخ تھے۔ اس زمانے میں' اقبال سے بہتر اسلام کی اور

شخص نے نہیں سمجھا اور آگے سنئے' عزیزان من اور ڈاکٹر صاحب!) "کہ مجھے اس کا فخر ہے کہ میں نے اقبالؒ کی قیادت میں بحیثیت ایک سپاہی کے کام کیا"۔ اقبال کو فخر حاصل ہے کہ وہ قائداعظمؒ کا معمولی سپاہی ہے۔ قائداعظم کو یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے اقبالؒ کی قیادت میں ایک سپاہی کی حیثیت سے کام کیا میں نے ان سے زیادہ وفادار اور اسلام کا شیدائی نہیں دیکھا۔ جس بات کو وہ صحیح خیال کرتے' یقیناً وہ صحیح ہوتی تھی اور وہ اس بات پر مضبوط چٹان کی طرح قائم رہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب! کہاں تک میں بتاتا چلا آؤں۔ میرا خیال ہے کہ وقت کی کمی' اور عدم گنجائش مانع ہے۔ میں مختصر کروں ورنہ یہ تھے اقبالؒ اور یہ تھے جناحؒ۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔ اور یہ تھے ان کے احسانات اس احسان فراموش قوم کے اوپر۔

سوال۔ پیشتر اس کے کہ ہم ختم کریں۔ ایک بات شروع میں ہوئی تھی اس کی طرف میں توجہ دلاؤں۔ مختصر سے وقت میں اگر آپ اس کی وضاحت کریں کہ علامہ اقبالؒ کا شعر آپ نے شروع میں پڑھا تھا کہ

ع کس نہ باشد در جہاں محتاج کس

اور اس کے ساتھ ہی ساتھ

ع کس دریں جا سائل و محروم نیست

تو سائل و محروم نہ ہونا جو اسلامی مملکت کا ایک طرہ امتیاز ہے' اس کی بھی آپ ذرا تھوڑی سی وضاحت کر دیں تو ہم فکر اقبالؒ ہی کے اندر رہیں گے' میرا خیال ہے۔ اس کی آپ ذرا وضاحت کریں تو بڑی مہربانی ہو گی؟

جواب اللہ صاحب! اس کا تعلق اسلام کے معاشی نظام سے آجائے گا اور وہ آپ جانتے ہیں کتنا

وسیع مضمون ہے اور میں ساری عمر لکھتا چلا آرہا ہوں۔ "نظام ربوبیت" میری کتاب اسی پہ ہے۔ " اقبالؒ اور قرآن" میں بھی یہ چیزیں ہیں۔ مختصر الفاظ میں، یہ چیز اقبالؒ نے ہمیں سمجھائی اور قرآن کی تائید سے سمجھائی کہ اسلامی مملکت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ تمام افراد معاشرہ کی ضروریات زندگی پوری کرے۔ یہی چیز تھی کہ جسے نبی اکرمؐ نے اپنی اس درخشندہ حدیث میں بیان فرمایا کہ "جس بستی میں کوئی ایک شخص بھی رات کو بھوکا سو جائے، اس بستی سے خدا کی حفاظت کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے" اور حضرت عمرؓ نے جب فرمایا کہ "اگر دجلہ کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مرگیا تو مجھ سے اس کی بھی باز پرس ہو گی"۔ یہ بنیاد ہے یہ طرہ امتیاز ہی نہیں ہے، بلکہ یہ بنیاد ہے اس کے اسلامی ہونے کی کہ اس میں سائل و محروم بھی نہ کوئی ہو اور حاکم و محکوم بھی کوئی نہ ہو۔ پھر یہ چیز جو ہے یہ ذمہ داری ہے، یہ ہے اصل شے۔ قرآن کریم احترام آدمیت کو سب سے بلند درجہ دیتا ہے

لقد کرمنا بنی آدم (17/70)

"ہر انسان، انسان ہونے کی جہت سے واجب التکریم ہے"

اب ضروریات زندگی پورا کرنے کے لئے، اگر وہ کسی انسان کا محتاج ہے یا دست نگر ہے تو سب سے بڑی ذلت انسانیت کی تو اسی میں ہوتی ہے۔ قرآن نے کہا کہ وہ دست نگر نہیں ہے۔ مملکت کا فریضہ ہے اور یہ **حق للسائل و المحروم** (51/19) ہے۔

یہ دو ہی لفظ ہی استعمال کئے ہیں۔ "**حق للسائل و المحروم**" یہ بطور اپنے حق کے ان سے وصول کر سکتے ہیں۔ تو یہ اس کے بعد اگلی بات ہو گی کہ وہ ذرائع کون سے ہوں گے جن سے مملکت یہ سب کچھ کرے گی تو یہ تو لمبی بات ہے۔ ذرائع کی بات یہی ہے کہ وہ جتنے بھی ذرائع پیداوار ہوں گے، مملکت کی ملکیت میں نہیں، مملکت کے انتظام میں اور تحویل میں ہوں گے، تاکہ وہ ان سے اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکے۔ اور قرآن نے جو کہا ہے **لیس للسان الا ماسعی** (53/39) وہ یہ ہے کہ معاوضہ محنت کا ہے، سرمائے کا نہیں ہے۔ سرمائے کے معاوضے میں جو کچھ حاصل ہو قرآن اسے ربٰو کہتا ہے اور ربٰو اتنا سنگین جرم ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اس کے خلاف اسلامی مملکت کو جنگ کرنا چاہئے۔ تو جب سرمایہ نہیں رہے گا، Surplus دولت نہیں رہ سکتی کسی کے پاس۔ **یسئلونک ماذا ینفقون ط قل العفو ط** (2/219) یہ پوچھتے ہیں کتنا کچھ دوسروں کی ضروریات کے لئے دے دیں؟ ان سے کہہ دو کہ جتنا تمہاری ضرورت سے زائد ہے، سارے کا سارا۔ تو Surplus Money نہیں رہے گی اور پھر میں دہرا دوں کہ جس مملکت میں، نبی اکرمؐ کے ارشاد کے مطابق، کوئی ایک فرد بھی رات کو بھوکا سو جائے گا، وہ مملکت اسلامی نہیں ہو گی"۔

اگلے شمارے میں

چیئرمین صاحب کا خطاب ۔ ایاز حسین انصاری صاحب
مقطع کابند ۔ عبداللہ ثانی صاحب
تحریک طلوع اسلام کا تعارف ۔ محمد عمرواز صاحب
کنونشن کی تصویری جھلکیاں

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

آئین کمیشن کے سوالنامہ کے جوابات

(حالات حاضرہ اور قرآن کریم کی روشنی میں)

_____○ ○ ○_____

یاد رہے کہ یہ جوابات آئین کمشن کو مئی 1960ء میں ارسال کئے گئے تھے۔ چونکہ یہ جوابات اور انگریزی زبان میں وہ خط جس کے تحت یہ جوابات ارسال کئے گئے تھے الگ سے ہوئے تھے اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ آنے والے مورخین کے استفادہ کے لئے انہیں طلوع اسلام کے اوراق میں محفوظ کر دیا جائے۔ (مدیر مسئول)

_____○ ○ ○_____

سوال نمبر1 ۔ آپ کے خیال میں پاکستان میں پارلیمانی طرز کی جمہوری حکومت کی نوعیت اور اسباب کیا تھے جن کی بناء پر آخر الامر 1956ء کے آئین کو منسوخ کرنا پڑا؟

جواب۔ اس سوال کا جواب تھوڑی سی وضاحت چاہتا ہے۔ 1947ء سے 1956ء تک کا زمانہ پاکستان میں بے آئینی کا زمانہ تھا۔ یعنی اس زمانہ میں یہاں کوئی آئین ہی نہیں تھا۔ حکومت کا کاروبار گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے مطابق چل رہا تھا جسے تشکیل پاکستان کے وقت، تھوڑے سے ردوبدل کے بعد اپنا لیا گیا تھا۔ آئین پاکستان شروع 1956ء میں منظور تو ہو گیا لیکن (حقیقت یہ ہے کہ) اسے عملاً" نافذ ہی نہیں کیا گیا۔ حتی کہ اس کے تابع نئے انتخابات تک نہیں کئے گئے۔ لہٰذا ملک کے حالات کی اس ابتری کا بنیادی سبب جس کی رو سے عسکری مداخلت ناگزیر ہو گئی تھی کسی خاص آئین کے نقائص یا انداز حکومت کے اسقام نہ تھے۔ اس کے حقیقی اسباب اس سے کہیں گہرے تھے۔ طرز حکومت کے نقص کو اس میں ثانوی حیثیت حاصل تھی۔ اس کے حقیقی اسباب کا سراغ لگانے کے

لئے ہمیں ذرا پیچھے جانا پڑے گا۔

تحریک پاکستان کی بنیاد اس مطالبہ پر تھی کہ مسلمانوں کو ایک آزاد خطہ زمین ملنا چاہئے جس میں وہ قرآنی تصورات کے مطابق اسلامی نظام قائم کر سکیں۔ اس نظام میں ایک طرف افراد مملکت کو زندگی کی بنیادی ضروریات کی طرف سے پورا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اور دوسری طرف انکی ذات کی نشوونما ہوتی چلی جاتی ہے۔ یوں ان کی دنیا بھی خوشگوار ہو جاتی ہے اور عاقبت بھی سنور جاتی ہے۔ جہاں تک عوام کی معاشی ضروریات کا تعلق ہے' علامہ اقبالؒ نے 1937ء میں قائداعظمؒ کے نام ایک خط میں لکھا تھا کہ

اسلامی آئین کے گہرے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظام کو اچھی طرح سے سمجھ کر نافذ کر دیا جائے تو اس سے کم از کم ہر فرد کو سامان پرورش ضرور مل جاتا ہے۔

پاکستان کے اس تصور کو سامنے رکھتے ہوئے قوم نے اس کے مطالبہ کو متفقہ طور پر پیش کیا اور اس کے حصول کے لئے جدوجہد کرتی رہی۔ تشکیل پاکستان کے بعد قوم سے کہا گیا کہ اب یہاں وہ آئین نافذ کیا جائے گا جس کے لئے یہ مملکت حاصل کی گئی ہے۔ بعض حلقوں کی طرف سے یہ سوال اٹھایا گیا کہ پاکستان کا آئین کس قسم کا ہو گا؟ اس کے جواب میں قائداعظمؒ نے جنوری 1947ء میں سندھ بار ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

میں تو یہ نہیں سمجھ سکا کہ لوگوں کو اس استفسار کی ضرورت کیوں پڑ رہی ہے کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہو گا یا نہیں؟ اسلامی اصول تو ایسے ہیں جن کی نظیر دنیا میں کوئی بھی پیش نہیں کر سکتا۔ یہ اصول آج بھی اسی طرح کارگر ہیں جس طرح آج سے تیرہ سو سال پہلے تھے۔

انہوں نے جولائی 1947ء میں فرمایا کہ

ہمارے پیش نظر مقصد یہ ہے کہ یہاں کے عوام خوشحالی اور اطمینان کی زندگی بسر کر سکیں ..... اور ہم دنیا کو وہ پیغام دے سکیں جو اسے تباہیوں سے بچانے اور نوع انسانیؑ کی بہبود مسرت اور خوشحالی کا ضامن ہوسکے۔ یہ کام اسلامی نظام کے سوا اور کسی نظام سے نہیں ہو سکتا۔

(اسٹیٹ بنک کی افتتاحی تقریر)

وزیراعظم پاکستان محترم لیاقت علی خاں مرحوم نے جنوری 1948ء میں' اسلامیہ کالج پشاور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک خطہ زمین حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں اسلامی اصولوں کو آزما سکیں ..... پاکستان صحیح معنوں میں اسلامک اسٹیٹ ہو گا جس میں طبقاتی امتیاز ختم کر دیا جائے گا۔

پھر انہوں نے مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں فروری 1949ء میں فرمایا۔

حصول پاکستان سے پیشتر ہم نے جو وعدے مسلم قوم سے کئے تھے انہیں پورا کرنے کا وقت آگیا

ہے۔ ہم نے پاکستان کا مطالبہ ہی اس مقصد کے لئے کیا تھا کہ ایک ایسا خطہ ارض میسر آ جائے جس میں ہم اسلامی اصولوں کے مطابق اپنی تقدیر نو کی تشکیل کر سکیں۔ ہمیں ایک تجربہ گاہ کی ضرورت تھی۔ ایک ایسی حکومت کی ضرورت تھی جو اسلامی اصولوں پر کاربند ہو۔ ایسی حکومت جو دنیا میں بہترین ہو۔

چنانچہ واضعین آئین نو سال تک عوام کو اس امر کا یقین دلاتے رہے کہ وہ صحیح اسلامی آئین مرتب کریں گے جس سے لوگوں کی تمام پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ لوگوں نے ان وعدوں پر یقین کرتے ہوئے نو سال کا لمبا عرصہ صبر و سکون سے گذارا۔ لیکن جب وہ آئین سامنے آیا تو اس کا صحیح اسلامی ہونا تو ایک طرف س میں عوام کی مشکلات کو دور کرنے کے لئے اتنا کچھ بھی نہیں تھا جتنا آج کل مغرب کی سکولر حکومتوں کے آئین میں ہوتا ہے۔ اس سے لوگوں میں بددلی اور مایوسی پھیل گئی۔ انہیں یقین ہو گیا کہ ان سے دھوکا کیا گیا ہے۔ ان سے جھوٹ بولا گیا ہے۔ ان کے لیڈر محض زبان سے اسلام کا نام لیتے رہے ہیں لیکن وہ دل سے صحیح اسلامی نظام کا قیام نہیں چاہتے تھے۔ اس سے قوم کے دل سے لیڈروں کا اعتماد اٹھ گیا۔ قوم پر مایوسی چھا گئی۔ انہوں نے ملک کے اجتماعی مسائل سے دلچسپی لینی چھوڑ دی۔ مفاد پرست گروہ نے قوم کی اس نفسیاتی کیفیت سے فائدہ اٹھایا اور اپنی من مانی کرنے لگ گئے۔ اس میں قوم کے لیڈر بھی شامل تھے اور (بدقسمتی سے) حکومت کی مشینری کے کل پرزے (یعنی سرکاری ملازمین) بھی اس سے دن بدن خرابیاں بڑھتی چلی گئیں۔

یہ تھے اس ابتری کے حقیقی اسباب جو 1958ء میں عسکری انقلاب پر منتج ہوئی۔ ان اسباب کی روشنی میں اگلے سوال کا صحیح صحیح جواب سامنے آ سکتا ہے۔

سوال نمبر2- آپ کے نزدیک وہ اقدامات کیا ہیں جن سے مذکورہ بالا اسی قسم کے دیگر اسباب کے دوبارہ پیدا ہونے کی روک تھام ہو سکے۔

جواب- عسکری انقلاب کے بعد پھر ان سابقہ وعدون کی تجدید کی گئی ہے۔ چنانچہ صدر محترم فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے زمام اقتدار ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی قوم کو واضح الفاظ میں یقین دلایا کہ جس مقصد کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا اب اس مقصد کو پورا کیا جائے گا۔ انہوں نے 12 دسمبر 1958ء کو باشندگان لاہور کی طرف سے پیش کردہ ایڈریس کے جواب میں کہا۔

اکتوبر کے انقلاب کا فلسفہ وہی تھا جو تخلیق پاکستان کا موجب بنا تھا۔ برسوں کی بدنظمی اور بددیانتی نے اس فلسفہ کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا تھا اور اس تحریک کے اغراض و مقاصد کو داغدار اور زنگ آلود بنا دیا تھا جو تشکیل پاکستان پر منتج ہوئی تھی۔ اب حکومت کے سامنے سب سے اہم کام یہ ہے کہ ان مقاصد و مطامح کو اس دلدل سے نکال کر اس طرح صیقل کر دیا جائے کہ انہیں ان کی کھوئی ہوئی چمک دمک اور عزت و عظمت پھر سے نصیب ہو جائے۔

انہوں نے جولائی 1959ء میں مری میں کمشنروں کی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔

ہمارے سامنے اس وقت دو اہم مسائل ہیں۔ ایک یہ کہ مشترکہ اسلامی آئیڈیالوجی کے ماتحت لوگوں میں اتحاد پیدا کریں اور اس آئیڈیالوجی کی تشریح و تبیین عصر حاضر کی زبان میں زمانے کے تقاضوں کے مطابق کی جائے۔ اس آئیڈیالوجی کو روح اسلام سے کشید کیا جائے اور ہمارا زمانہ جس حد تک ترقی کرچکا ہے اس کی روشنی میں اس کی تعبیر کی جائے۔ اس وقت اشد ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل فکر و نظر حضرات کو دعوت غور و تدبر دی جائے کہ وہ زندگی کے ان مسائل کا نہایت معقول حل دریافت کریں۔

دوسرا اہم کام یہ ہے کہ ملک کا معاشرتی اور معاشی ڈھانچہ ٹھوس اور مضبوط بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ انسانی دل و دماغ کسی آئیڈیالوجی پر خواہ وہ کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو کبھی لبیک نہیں کہتا جب تک اسے دو وقت پیٹ بھرنے کا یقین نہ ہو جائے۔ اس لئے اس امر کی بھی اشد ضرورت ہے کہ روٹی کے مسئلہ پر خاص توجہ دیجائے۔

محترم صدر مملکت کے ان بیانات اور اعلانات نے قوم کے دل میں امید کی نئی کرن پیدا کر دی ہے۔ چنانچہ اب وہ جدید آئین کا انتظار اس یقین کے ساتھ کر رہی ہے کہ حکومت ان وعدوں کو پورا کرے گی جو محترم صدر مملکت نے ان سے کئے ہیں ظاہر ہے کہ اگر یہ آئین اسلامی آئیڈیالوجی کا حامل ہو اور اس میں عوام کی مشکلات اور پریشانیوں کا حل موجود ہوا تو یہ کامیاب ہو گا ورنہ یہ سابقہ آئین سے بھی زیادہ ناکام رہے گا۔ جہاں تک اسلامی آئیڈیالوجی کا تعلق ہے قائداعظمؒ نے اس کی تشریح (1941ء میں) ان الفاظ میں کی تھی کہ

اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ س میں اطاعت اور وفاکشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا ذریعہ قرآن مجید کے اصولو احکام ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کے احکام ہی سیاست اور معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے اصول متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی ہے۔ (حیدر آباد دکن میں ایک سوال کا جواب)

قائداعظمؒ کا یہ ارشاد درحقیقت قران کریم کی اس آیت کی تشریح ہے جس میں کہا گیا ہے کہ

و تمت کلمة ربک صدقا و عدلا" لا مبدل لکلمته (1/166)

اور تیرے رب کی طرف سے عطا کردہ نظریہ زندگی صدق اور عدل کے ساتھ مکمل ہو گیا ان نظریات میں کوئی تبدیلی کرنے والا نہیں۔

قرآن کے انہی اصولوں کے متعلق فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے دسمبر 1959ء میں (پاک جمہوریہ کے دورے کے سلسلے میں) فرمایا تھا۔

بغرض فیصلہ بھیجدیا جائے۔

(5) سپریم کورٹ کو حق حاصل ہو گا کہ وہ اس قسم کے معاملات میں ہائیکورٹ کے فیصلہ کے خلاف اپیل کی سماعت کرے یا ایسے معاملہ کو از خود اپنے ہاں فیصلہ کے لئے طلب کر لے۔

(6) سپریم کورٹ کا فیصلہ ہر ایک کے لئے قول فیصل ہو گا۔

(7) جس قانون یا رواج کے متعلق جس کی حیثیت قانون کی ہو' سپریم کورٹ فیصلہ کر دے کہ وہ قرآنی قانون کے خلاف ہے وہ قانون یا رواج ملک میں قانونی حیثیت نہیں رکھے گا۔

(8) مملکت اپنی قانونی یا انتظامی پالیسی میں قران کے اصولوں سے راہنمائی حاصل کرے گی۔

(9) ہر عدالت قوانین کی تعبیر قرآن کے اصولوں کی روشنی میں کرے گی۔

(10) مملکت کا فریضہ ہو گا کہ وہ تمام مروجہ قوانین کو جس قدر جلد ممکن ہو' قرآن کریم کے اصولوں کے مطابق بنائے۔

سوال نمبر3 ۔ سابقہ سوالات کے جواب میں جو کچھ آپ نے کہا ہے اس کی روشنی میں (الف) کیا آپ پاکستان میں پارلیمانی نظام حکومت کی سفارش کرتے ہیں یا صدارتی نظام کی ---- اور

(ب) کیا آپ وحدانی نظام حکومت کے حق میں ہیں یا فیڈرل انداز کے؟

جواب ۔ (الف) قران کریم کی رو سے تشکیل حکومت ملت کا مشترکہ فریضہ ہے جسے وہ باہمی مشاورت سے سرانجام دیتی ہے اس مقصد کے لئے وہ اپنے میں سے اس شخص کو جو سب سے زیادہ قوانین خداوندی کی حفاظت کرنے والا ہو اپنا سربراہ منتخب کر لیتی ہے (اسے دور حاضرہ کی اصطلاح میں صدر مملکت کہاجائے گا) اسے قوم کا پورا اعتماد حاصل ہوتا ہے اور اس کی بلند سیرت اور حسن کردار قوم میں محنت و دیانت' تعاون اور ایثار کے بلند جذبات پیدا کر دیتے ہیں۔ امور مملکت کی سرانجام دہی میں آخری ذمہ داری اس کے سر ہوتی ہے لہٰذا اس میں صدر' اور اس کی مجلس مشاورت میں تقسیم اختیارات کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ اسلامی نظام کا منتہی ہے لیکن بحالات موجودہ پاکستان میں صدارتی نظام بہتر رہے گا بشرطیکہ پارلیمان اور صدر کے اختیارات کی تقسیم سوال نمبر5 کے جواب کے مطابق ہو۔

(ب) وحدت امت' قرآن کا بنیادی اصول ہے اور وحدانی طرز حکومت میں جداگانہ صوبہ جاتی نیابت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن پاکستان کے مخصوص حالات کے ماتحت ذیل کی شرائط ضروری ہیں۔

(I) پارلیمان کے ہر دو ایوانات میں الگ الگ مشرقی اور مغربی پاکستان کی نیابت برابر برابر ہو۔

(II) مغربی پاکستان کی وحدت کو برقرار رکھاجائے۔

(III) ملک میں یا ایوان میں پارٹیاں بنانے کی قطعاً" اجازت نہ ہو۔

سوال نمبر4 _ اگر آپ پارلیمانی طرز حکومت کی سفارش کرتے ہیں تو آپ حکومت کے استحکام کے لئے اور اس کے ساتھ پارٹی پالیٹکس کی بناء پر' روزمرہ کے انتظامی امورمیں بے جا مداخلت کی موثر روک تھام کے لئے کیا اقدامات تجویز کرتے ہیں۔

جواب _ سوال نمبر3 کے جواب کی روشنی میں یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

سوال نمبر5 _ چونکہ صدارتی طرز حکومت کی صورت میں اختیارات جداگانہ ہونے کے باعث انتظامیہ اور مقننہ ایک دوسرے سے آزاد ہوتی ہیں س لئے ضرورت ہے کہ مختلف شعبوں میں تعاون کے لئے کوئی طریق وضع کیا جائے اور اس طرح اس صورت حالات کی روک تھام کر دی جائے جس میں حکومت میں تعطل واقع ہو جاتا ہے۔ اگر آپ صدارّتی نظام کے حق میں ہیں تو کیا آپ کے خیال میں امریکی آئین کا نگرانی اور توازن کا نظام ہماری ضروریات کو پورا کریگا بالخصوص جہاں تک مالیات خارجی تعلقات وزراء اور سفرنیز انتظامیہ اور فوج کے اعلی افسران کے تقرر کا تعلق ہے (اگر آپ کے خیال میں امریکی آئین کی شقیں ہماری ضروریات کو پورا نہیں کرتیں تو) آپ ان میں کیا ترمیم پیش کرنا چاہتے ہیں؟

جواب _ ہمارے مخصوص حالات کے ماتحت حسب ذیل شرائط و تقسیم اختیارات مناسب رہیں گے۔

(I) قانون سازی کے اختیارات پارلیمان کے پاس رہیں اور صدر انتظامیہ کا ذمہ دار ہو۔ صدر کو قانون سازی کے اختیارات صرف ہنگامی حالات میں حاصل ہوں جس کی شراط متعلقہ سوال کے جواب میں بیان کی گئی ہیں۔

(II) پارلیمان ہر مسودہ قانون کو (جسے وہ منظور کرے) بغرض استصواب صدر کے پاس بھیجے۔ اگر صدر اس میں کوئی ترمیم و تنسیخ کرے تو پارلیمان اس پر دوبارہ غور کرے اور 2/3 کی اکثریت سے جو کچھ منظور کرے اسے آخری فیصلہ تسلیم کر لیا جائے۔

(III) صدر کو اپنی مجلس مشاورت (کابینہ) کے وزراء کے انتخاب کا حق حاصل ہو گا لیکن ان کے تقرر کے لئے پارلیمان کے سینٹ (Senate) کے ایوان کی توثیق (Confirmation) ضروری ہوگی۔ البتہ ان وزراء کو صدر اپنے اختیارات سے برطرف کر سکے گا۔

(IV) حسب ذیل عہدوں پر تقرر صدر کرے گا لیکن اس کی توثیق سینٹ کرے گا نیز ان کے برطرف کرنے کے لئے بھی سینٹ کی توثیق کی ضرورت ہو گی۔ سینٹ انہیں از خود بھی کثرت رائے سے الگ کر سکے گا۔

(1) صوبوں کے گورنر

(2) سفراء

(3) بری' بحری' فضائی فوج کے کمانڈر انچیف

(4) مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے سیکرٹری نیز محکموں کے سربراہ۔

(5) پبلک سروس کمیشن کے اراکین اور چیئرمین۔

(6) انتخابی کمیشن انتخابی حلقوں کے کمیشن اور دیگر اسی قسم کے کمیشنوں کے چیئرمین اور صدر سینٹ اس فہرست میں حسب ضرورت اضافہ بھی کر سکے گا۔

صدر اورمذکورہ بالا عہدے دار' اپنے تقرر کے فوری بعد' اپنی اپنی املاک اورمقبوضات کی فہرست گزٹ آف پاکستان میں شائع کریں گے۔ اس فہرست کی اشاعت کی تجدید ہر سال ہوتی رہے گی۔

(V) صدر اور اس کی کابینہ سے متعلق بجٹ پارلیمان منظور کرے۔

(VI) دیگر ممالک سے معاہدات کے لئے ایوانات کے مشترکہ اجلاس کی توثیق ضروری ہو گی ہر معاہدہ ایوانات کی توثیق کے لئے جس قدر جلد ممکن ہو گا پیش کیا جائے گا۔

سوال نمبر6 ۔ اگر آپ وحدانی طرز حکومت کے حق میں ہیں تو موجودہ انتظامی ہیئت میں جو تبدیلیاں آپ ضروری سمجھتے ہیں ان کی نشاندہی کریں۔

جواب ۔ (I) مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں ایک ایک گورنر ہو اور گورنر کی مجلس مشاورت (کابینہ اس مجلس کے ارکان (وزراء) کے تقرر اورعلیحدگی کے لئے وہی طریق اختیار کیا جائے جو صدر کی کابینہ کے سلسلہ میں تجویز کیا گیا ہے۔

(II) مختلف عہدوں پر تقرر اور برطرفی کے لئے سابقہ سوال کے جواب میں بتایا جا چکا ہے۔ اس سلسلہ میں اتنا اضافہ ضروری ہے کہ

(الف) سیکرٹریوں اور محکموں کے سربراہوں کی اسامیاں معاہدہ کی رو سے پر کی جائیں (یعنی یہ اسامیاں (Contract Posts ہوں) اور یہ معاہدہ چار سال کے لئے کیا جائے۔ اس کے بعد معاہدہ کی تجدید کی جائے۔

(ب) ان اسامیوں پر سول سروس والوں کا تقرر بھی ہو سکے گا لیکن ان کے علاوہ دیگر موزوں اشخاص بھی ان اسامیوں کو پر کر سکیں گے۔

(ج) جیسا کہ سابقہ سوال کے جواب میں کہا جا چکا ہے ان اسامیوں پر مقرر کردہ اشخاص کو سینٹ کثرت رائے سے الگ بھی کر سکے گا۔

سوال نمبر7 ۔ اگر آپ فیڈرل طرز حکومت کے حق میں ہیں تو.....

جواب ۔ سوال نمبر3 (ب) کے جواب کی روشنی میں یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

سوال نمبر8 _ کیا آپ اس کے حق میں ہیں کہ صدر کو قانون سازی کے اختیارات ہوں۔ اگر آپ اس کے حق میں ہیں تو کن حالات کے ماتحت استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔

جواب _ عام حالات میں صدر کو قانون سازی کے اختیارات نہیں ہونے چاہئیں لیکن جب پارلیمان ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان کر دے تو پھر صدر ان حدود کے اندر جو پارلیمان متعین کرے قانون مرتب اور نافذ کر سکتا ہے۔

(2) ملک میں ہنگامی حالات کے اعلان کا فیصلہ پارلیمان کے دونوں ایوانات کے مشترکہ اجلاس میں ہو گا۔

(3) ہنگامی حالات میں صدر کو تمام امور سے متعلق قوانین سازی کے اختیارات ہوں گے بجز ان امور کے جن کے متعلق پارلیمان کے دونوں ایونات کا مشترکہ اجلاس فیصلہ کر دے کہ وہ صدر کے ان ہنگامی حالات سے باہر رہیں گے۔

(4) جب پارلیمان کے دونوں ایوانات کا مشترکہ اجلاس اس امر کا اعلان کر دے کہ اب ہنگامی حالات نہیں رہے تو صدر نے ہنگامی حالات میں جو آرڈیننس جاری کئے ہوں گے' وہ نافذالعمل نہیں رہیں گے۔

جنگ یا بیرونی خطرہ کی صورت میں صدر مقننہ یا انتظامیہ کے لئے مناسب اقدامات اپنے اختیارات سے کرسکے گا لیکن ان تمام اقدامات کی توثیق پارلیمان کرے گی جس کا اجلاس فوراً طلب کیا جائے گا۔

سوال نمبر9- صدر کا انتخاب کیسے ہو گا کیا آپ یہ تجویز کرتے ہیں کہ انتخاب

(ا)بالغ رائے دہندگی کے اصول کے مطابق ہو یا

(ب)محدود بالغ رائے دہندگی کے اصول کے مطابق یعنی حق رائے دہندگی خواندگی یا جائیداد کی شرائط سے مشروط ہو۔ یا

(ج)ایک انتخابی ادارے کے ذریعہ ہو۔

(2)اگر آپ (ب) کے حق میں ہیں تو رائے دہندگی کو کس طرح محدود کریں گے۔

(3)اگر آپ (ج) کے حق میں ہیں تو کیا آپ اس انتخابی ادارے کے حق میں ہیں جس کے ذریعے صدر کو حال ہی میں منتخب کیا گیا ہے (یعنی بنیادی جمہوریتوں کے حکم مجریہ 1959ء) کے تحت لوکل کونسلوں کے منتخب اراکین کی آراء ہے۔ اگر آپ اس امر کے حق میں نہیں تو آپ اور کونسا انتخابی ادارہ تجویز کرتے ہیں۔

جواب- صدر کا انتخاب بالغ رائے دہندگی کے اصول پر براہ راست ہوتا کہ ملت کے تمام افراد اپنے میں سے جو بہترین فرد کے انتخاب کے لئے اظہار رائے کرسکیں۔

صدر کے انتخاب میں جو امیدوار دوسرے نمبر پر آراء حاصل کرے' اسے نائب صدر منتخب کرلیا جائے۔

اس کے اختیارات کے متعلق سوال نمبر10 کا جواب ملاحظہ فرمایئے۔

سوال نمبر10-صدر کے لئے شرائط استعداد' عہدے کی معیاد علیحدگی وغیرہ کے متعلق سابقہ آئین میں جو کچھ درج تھا کیا آپ اسے اسی طرح رہنے دینا چاہتے ہیں یا ان میں کچھ تبدیلی چاہتے ہیں؟
(2)اگر آپ صدارتی نظام کے حق میں ہیں تو کیا آپ تجویز کرتے ہیں کہ ایک نائب صدر بھی ہو۔ نائب صدر کا انتخاب کیسے ہو اور اس کے فرائض و اختیارات کیا ہوں؟

جواب- صدر (نیز نائب صدر) کے لئے مسلمان اور کم از کم گریجویٹ (یا اس کے برابر تعلیمی سند یافتہ) ہونے کی شرائط ضروری ہیں۔ سپریم کورٹ اس امر کا تعین کرے گی کہ اس مقصد کے لئے کون سی تعلیمی سند گریجوایٹ کے برابر ہے۔ امیدوار کو حق حاصل ہوگا کہ وہ سپریم کورٹ سے اس بات کا فیصلہ کرائے (جو کچھ سوال نمبر13) کے جواب میں کہا گیا ہے اس کی روشنی میں اس قسم کے تمام عہدوں کے لئے مسلمان ہونے کی شرط بنیادی ہے۔

صدر کے عہدہ کی میعاد چار سال ہونی چاہئے۔ مدت عہدہ کے دوران' صدر کی علیحدگی کے لئے حسب ذیل طریق اختیار کیا جائے۔

(i)ایوان نمائندگان یا ایوان سینٹ کے ارکان کی کم از کم ایک تہائی تعداد' اسپیکر کو اس امر کا نوٹس دے کہ وہ صدر کی علیحدگی کے سوال کو زیر بحث لانا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے ایوان کا اجلاس منعقد کیا جائے۔

(ii)یہ مسئلہ دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں زیر بحث لایاجائے۔

(iii)اگر مشترکہ ایوان کی 2/3 تعداد صدر کی علیحدگی کے حق میں ہو تو اسے علیحدہ کردیا جائے اور اس کی جگہ باقیماندہ مدت عہدہ کے لئے نائب صدر کو صدر بنادیا جائے۔

(iv)جب نائب صدر' صدر بن جائے تو دونوں ایوانات مشترکہ اجلاس میں اپنے میں سے کسی کو نائب صدر منتخب کرلیں۔

(2)دونوں ایوانات کے اپنے اپنے ڈپٹی سپیکر ہوں لیکن جب ان کے مشترکہ اجلاس ہوں تو نائب صدر اس میں اسپیکر کے فرائض انجام دے۔ اسی طرح مشترکہ اجلاس کے انعقاد کا انتظام بھی نائب صدر کرے۔

سوال نمبر11-کیا آپ ایک ایوانی مجلس قانون ساز کے حق میں ہیں یا دو ایوانوں کے حق میں؟ اراکین کی تعداد کیا ہونی چاہئے اور آپ اس کا تعین کس طرح کریں گے؟

جواب- دو ایوان ہونے چاہئیں۔ ایک ایوان' عام نمائندگان کا اور دوسرا قومی زندگی کے مختلف شعبوں میں ماہرین کے نمائندگان کا۔ اولذکر کو ایوان نمائندگان اور ثانی الذکر کو سینٹ (SENATE) کی اصطلاح سے تعبیر کیا جائے۔ واضح رہے کہ یہ تقسیم محض مختلف قسم کی صلاحیتوں کی نمائندگی کی غرض

سے ہے۔ قوم میں طبقاتی تفریق کی بنا پر نہیں۔ اس اعتبار سے ساری کی ساری ملت ایک "وحدت" تصور کی جائے گی۔

(2) ہر ایوان میں ایک سو اٹھانوے اراکین ہوں۔ نصف مشرقی پاکستان اور نصف مغربی پاکستان۔

سوال نمبر12۔ مجلس قانون ساز کے اراکین کا انتخاب کس طرح ہونا چاہئے؟ کیا آپ تجویز کرتے ہیں کہ

(ا) انتخاب بالغ رائے دہندگی کے اصول پر ہو یا

(ب) محدود بالغ رائے دہندگی کے اصول کے مطابق جس میں خواندگی یا جائداد وغیرہ کی شرائط ہوں یا۔

(ج) انتخابی ادارے کے ذریعے۔

(2) اگر آپ (ب) کے حق میں ہیں تو حق رائے دہندگی کو کس طرح محدود کریں گے؟

(3) اگر آپ (ج) کو ترجیح دیتے ہیں تو کیا آپ اس کے لئے وہی انتخابی ادارہ تجویز کرتے ہیں جس نے حال ہی میں صدر کو منتخب کیا ہے اگر ایسا نہیں تو آپ کس دوسرے انتخابی ادارے کی تجویز کرتے ہیں؟

جواب۔ (1) ایوان نمائندگان کے لئے بالغ رائے دہندگی کے اصول کے مطابق انتخاب ہو۔ (طریق انتخاب کے متعلق سوالات نمبر 29 تا 32 کے جوابات ملاحظہ فرمایئے)

(2) ایوان ماہرین (سینٹ) کے لئے انتخاب انتخابی اداروں کے ذریعے ہو - مثلاً" یونیورسٹی کا حلقہ رجسٹرڈ میڈیکل ایسوسی ایشنز انجینئرز کی رجسٹرڈ ایسوسی ایشنز بار ایسوسی ایشنز صحافیوں کے ادارے رجسٹرڈ ٹریڈ یونینز چیمبرز آف کامرس وغیرہ۔

سوال نمبر13۔ سابق آئین میں اس کا فیصلہ نہیں کیا گیا تھا کہ انتخابات مخلوط اصول رائے دہندگی کے مطابق ہوں یا جداگانہ اصول کے مطابق۔ آئین نے اس کا فیصلہ پارلیمان پر چھوڑ دیا تھا آخر الامر اس کا فیصلہ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کی قراردادوں کی رو سے ہوا اس فیصلہ کی رو سے مخلوط انتخاب کا اصول اختیار کیا گیا تھا۔

کیا آپ اس فیصلہ کے حق میں ہیں یا اس میں کوئی تبدیلی چاہتے ہیں؟

جواب۔ فیلڈ مارشل ایوب خاں نے دسمبر 1958ء میں فرمایا تھا کہ

اکتوبر کے انقلاب کا فلسفہ وہی تھا جو پاکستان کی تخلیق کا موجب بنا۔

پھر دسمبر 1959ء میں انہوں نے گجرات میں کہا تھا کہ

پاکستان ایک آئیڈیالوجی کی بناء پر وجود میں آیا ہے اور وہ آئیڈیالوجی اسلام ہے اس لئے اس میں شبہ کی گنجائش کہاں جا سکتی ہے کہ پاکستان کا آئین اسلامی آئیڈیالوجی کا آئینہ دار ہو گا۔

پاکستان کی تخلیق کاموجب یہ آئیڈیالوجی تھی کہ ہندوستان میں بسنے والے مسلم اورغیر مسلم محض اشتراک وطن کی بناء پر ایک قوم نہیں بن سکتے۔ یعنی اسلام کی رو سے قومیت کا مدار اشتراک دین پر ہے۔ ہم وطنی کی بناء پر نہیں اسی نظریہ قومیت کو علامہ اقبالؒ نے پاکستان کا تصور دیتے وقت (1930ء میں) پیش کیا تھا بلکہ اس سے بھی بہت پہلے جب انہوں نے کہا تھا کہ ۔

بناء ہمارے حصار ملت کی اتحاد وطن نہیں ہے

علامہ اقبالؒ کی زندگی کے آخری دنوں میں مولانا حسین احمدمدنی (مرحوم) نے یہ اعلان کیا تھا کہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔" حضرت علامہ نے اسے دور جاہلیت کی آواز سے تعبیر کیا اور بڑی شد و مد سے اس کا جواب لکھا۔ ان پر اس بات کا اثر اس قدر شدید تھا کہ یہی کرب و اضطراب ان کی قبل از وقت موت کا باعث بن گیا۔

اسی آئیڈیالوجی کو قائداعظمؒ بار بار دہراتے رہے چنانچہ انہوں نے مسلم لیگ کے مدراس کے سیشن میں (1941ء میں) فرمایا تھا کہ

مسلم لیگ کا نصب العین یہ بنیادی اصول ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ایک جداگانہ قومیت رکھتے ہیں۔

انہوں نے مارچ 1944ء میں علی گڑھ کی ایک تقریر کے دوران کہا تھا کہ

ہندو اور مسلمان خواہ ایک گاؤں یا شہر میں ہی کیوں نہ رہتے ہوں وہ کبھی ایک قوم نہیں بن سکتے۔

پاکستان اسی آئیڈیالوجی کے مطابق وجود میں آیا۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے کیا خوب کہا ہے کہ

پاکستان محض ایک خطہ زمین کا نام نہیں جس میں آٹھ کروڑ نفوس بستے ہوں۔ پاکستان سے ہماری مراد ایک ایسی ملت ہے جو مخصوص اخلاقی اور روحانی اقدار کی امین ہے۔ یہ اقدار اسلام پر مبنی ہیں۔

(راولپنڈی کی تقریر 6 مارچ 1959ء)

لہٰذا اس حقیقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اسلامی آئیڈیالوجی کی رو سے جس کے مطابق پاکستان وجود میں آیا ہے۔ پاکستان کے مسلم و غیر مسلم ایک قوم کے افراد نہیں۔ اس لئے اصولی طور پر یہاں مخلوط یا جداگانہ انتخاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ مملکت قرآنی نظام زندگی کو عملاً متشکل کرنے کے لئے وجود میں لائی گئی ہے اس لئے اس مملکت کا کاروبار انہی لوگوں کے ہاتھ سے انجام پائے گا جو اس نظام زندگی کو اپنا ایمان سمجھتے ہوں دوسرے لوگ اس میں شریک نہیں ہو سکیں گے اس لئے کہ جو مملکت ایک مخصوص آئیڈیالوجی کو بروئے کار لانے کے لئے وجود میں آئی ہو اس کے کاروبار میں وہ لوگ کس طرح شریک کئے جا سکتے ہیں جو اس آئیڈیالوجی پر ایمان نہ رکھتے ہوں۔

قرآن کریم کے احکام اس باب میں بالکل واضح ہیں (ملاحظہ ہوں آیات 64/2، 35/39، 3/119-117، 3/37، 60/104، 9/24032 1) اس اصول کو آئین کی تمام متعلقہ شقوں میں پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

اگر کسی خاص مقصد کے لئے غیر مسلم باشندگان پاکستان کے انتخاب کا سوال درپیش ہو تو اس وقت امیدوار بھی غیر مسلم ہوں گے اور رائے دہندگان بھی غیر مسلم اس وقت ان میں مسلمان شریک نہیں ہو سکیں گے۔

غیر مسلموں کو مسلم قوم کا جزو قرار نہ دینے سے مطلب یہ نہیں کہ ان سے عدل و احسان کا برتاؤ نہیں کیا جائے گا۔ انہیں انسانیت کے بنیادی حقوق حاصل ہوں گے۔ انہیں شخصی مذہب، پرستش اور عقیدہ کی آزادی ہو گی۔ ان کے معابد کا تحفظ ہو گا لیکن اس کے باوجود اگر غیر مسلم کسی ایسی مملکت کی طرف مستقل طور پر منتقل ہونا چاہیں جو انہیں اپنے ہاں بسانے پر آمادہ ہو تو مملکت پاکسانیہ ایسا انتظام کرے گی جس سے وہ وہاں بحفاظت منتقل ہو جائیں۔

سوال نمبر14 _ مجلس قانون ساز کی رکنیت کے لئے کیا شرائط ہونی چاہئیں۔ اگر آپ دو ایوانی طرز کے حق میں ہیں تو ایوان بالا کی ہیئت ترکیبی کیا ہونی چاہئے۔ کیا

(الف) آپ اس کے لئے یہ تجویز کریں گے کہ اراکین کا انتخاب قومی زندگی کے مختلف شعبوں میں خصوصی استعداد کی بناء پر ہو اور اس کے ساتھ علم و تجربہ رکھنے والے ممتاز افراد کے لئے جگہ پیدا کرنے کے لئے نامزدگی بھی ہو۔ یا شرائط استعداد ایوان زیریں کی شرائط استعداد سے زیادہ ہوں۔

جواب _ دونوں ایوانوں کے لئے امیدواروں کے میٹرک پاس ہونے کی تعلیمی شرط ضروری ہے سینٹ کے امیدواروں کے سلسلے میں (سوال نمبر12 کے جواب میں) بتایا جا چکا ہے کہ وہ قومی زندگی کے مختلف مخصوص اداروں کے حلقوں سے منتخب ہوں گے نامزدگی نہیں ہو گی۔

سوال نمبر15 _ آپ کی رائے میں

(الف) دونوں ایوانوں کے متعلقہ اختیارات اور ان کی مدت

(ب) ان کے باہمی تعلقات اور

(ج) صدر کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہئے۔

جواب _ (الف) جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، دونوں ایوانوں میں ارکان کی تعداد یکساں ہو گی اور مشرقی اور مغربی پاکستان کی نیابت بھی یکساں۔ جہاں تک میعاد کا تعلق ہے پہلے انتخاب کے بعد ہر سال اراکین کے ایک تہائی حصہ کا انتخاب از سر نو ہو اس طرح ہر تین سال کے بعد پورے کا پورا ایوان

از سر نو منتخب ہو جائے گا۔

(ب) جہاں تک اختیارات کا تعلق ہے۔

(1) ہر ایوان اپنی اپنی جگہ جس معاملہ کو چاہے قانون سازی کے لئے زیر بحث لے آئے لیکن مالیات سے متعلق قانون سازی کا آغاز صرف ایوان نمائندگان میں ہو گا۔

(ج) جب ایک ایوان کوئی مسودہ قانون پاس کرے تو اسے دوسرے ایوان کے پاس بھیج دے اگر وہ ایوان اس سے متفق ہو تو فبہا ورنہ وہ مسودہ دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں پیش ہو جب وہ ان کی اکثریت اسے منظور کرے تو پھر اسے الگ ایوان میں پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔

(د) جب کسی مسودہ قانون کو ایونوں کی منظوری حاصل ہو جائے تو وہ صاحب صدر کے پاس بغرض تصویب بھیجا جائے۔ اگر صدر اس میں کوئی تغیر و تبدل تجویز کرے تو اسے پھر متعلقہ ایوان میں پیش کر دیا جائے۔ اگر اس دفعہ ایوان کی 2/3 اکثریت اسے منظور کر لے تو اسے منظور شدہ تصور کیا جائے۔

(س) جن اسامیوں پر تقرر یا علیحدگی کے لئے سینٹ کی توثیق کی ضرورت ہو گی اس کا ذکر سوال نمبر ۱ کے جواب میں کیا جا چکا ہے۔

(ص) دونوں ایوانوں کے الگ الگ ڈپٹی اسپیکر ہوں گے جنہیں متعلقہ ایوان خود منتخب کرے گا لیکن جب دونوں کا اجلاس مشترک ہو تو نائب صدر اسپیکر کے فرائض سرانجام دے۔

(ط) کسی ایوان میں پارٹی کوئی نہیں ہو گی آراء آزاد ہوں گی۔

(2) ایوانات کے اجلاس بلانے کے اختیارات۔

(I) صدر مملکت کو دونوں ایوانات کے الگ الگ یا دونوں کے مشترکہ اجلاس طلب کرنے کا اختیار ہو گا۔

(II) نائب صدر بحیثیت اسپیکر دونوں ایوانوں کے الگ الگ یا مشترکہ اجلاس طلب کر سکے گا۔

(III) ڈپٹی اسپیکر اپنے متعلقہ ایوان کا اجلاس طلب کر سکے گا۔

(IV) ہر ایوان کے ارکان کی ایک تہائی تعداد اپنے ڈپٹی اسپیکر کو نوٹس دے کر اجلاس طلب کر سکتی ہے اور اسپیکر کو نوٹس دے کر مشترکہ اجلاس طلب کر سکتی ہے۔

(3) صدر کو یا کسی اور کو ایوان کو ختم کر دینے کا حق نہیں ہو گا۔

سوال نمبر 16، 17 کا 18 تعلق فیڈرل طریق حکومت سے ہے اور چونکہ اس طرز حکومت کی سفارش نہیں کی گئی اس لئے یہ سوالات پیدا نہیں ہوتے۔

سوال نمبر 19 ۔ کیا آپ اس کے حق میں ہیں کہ گورنر کو بھی قانون سازی کے اختیارات ہوں۔ اگر ایسا ہے تو وہ کن حالات کے ماتحت اس اختیار کو عمل میں لا سکتا ہے۔

جواب _ چونکہ حکومت کا طرز وحدانی ہو گا اس لئے گورنر کے لئے قانون سازی کے اختیارات کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

سوال نمبر20 _ سابق آئین کی دفعہ نمبر 70 میں گورنر کے لئے شرائط استعفیٰ کے طریق کار عہدہ کی مدت وغیرہ سے متعلق دفعات موجود تھیں۔ کیا آپ مذکورہ دفعات کو اختیار کریں گے یا ان میں کوئی تبدیلی ضروری سمجھتے ہیں۔

جواب _ چونکہ انداز حکومت وحدانی ہو گا اس لئے گورنر کی حیثیت اجرائیہ کے ایک رکن سے زیادہ نہیں ہو گی۔ گورنر کا تقرر صدر کے انتخاب اور سینٹ کی توثیق سے چار سال کے لئے ہو گا۔ اس مدت کے دوران اس کی علیحدگی کے لئے بھی سینٹ کی توثیق کی ضرورت ہو گی نیز سینٹ اسے از خود بھی علیحدہ کر سکے گا۔ (دیکھئے سوال نمبر5 کا جواب)

سوال نمبر21 _ سابق آئین میں گورنر کو جو تحفظ دیا گیا تھا کیا آپ اس تحفظ کے حق میں ہیں اگر طرز حکومت وحدانی ہو تو کیا آپ پھر بھی تحفظ دیں گے؟

جواب _ اس تحفظ کی ضرورت نہیں۔

جہاں تک صدر کا تعلق ہے اس پر مملکت کے کاروبار کے سلسلہ میں کسی دیوانی یا فوجداری عدالت میں مقدمہ نہیں چلایا جائے گا۔ البتہ اس کے کردار کو سینٹ میں زیر بحث لایا جا سکتا ہے اس مقصد کے لئے سینٹ کو وہ تمام اختیارات حاصل ہوں گے جو ہائی کورٹ کو ہوتے ہیں بجز اس کے کہ اگر صدر کو کوئی سزا دی جانی مطلوب ہو تو دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس کی منظوری سے دی جائے۔

(صدر کی علیحدگی کے سلسلے میں طریق کار کے متعلق سوال نمبر10 کا جواب دیکھئے)

سوال نمبر22 _ کیا آپ ضروری سمجھتے ہیں کہ نئے آئین میں بنیادی حقوق انسانی اسی طرح واضح کئے جائیں جس طرح سابق آئین میں کئے گئے تھے یا آپ کے خیال میں برطانیہ کی طرح اس قسم کے حقوق کی ضمانت کو مجالس قانون ساز کی بنیادی نیک نیتی پر اور عدالتوں کے ذریعے مسلمہ اصولوں کی دانش اطواری اور تجربہ پر چھوڑ دیا جائے۔

جواب _ مملکت کے آئین میں حقوق انسانیت بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ آئین میں ان حقوق کی فہرست دی جائے قرآن کریم نے یہ حقوق مستقل (یا اضافی) اقدار کی حیثیت سے دیئے ہیں ان اقدار کی فہرست کمیشن کو بعد میں بھیج دی جائے گی۔ سابق آئین میں بنیادی حقوق کی فہرست دی گئی تھی اسے مناسب ترمیم و اضافہ کے ساتھ درج ذیل کیا جاتا ہے اس فہرست کی زبان کچھ

فی سی ہے لیکن چونکہ آئین کا انداز اسی کا متقاضی ہے اس لئے ہم نے اسے نہیں بدلا اس سلسلہ میں سوالات نمبر1'2'4 کے جوابات بھی دیکھ لئے جائیں۔

(1) ہر شخص کو قانون کی حفاظت یکساں طور پر حاصل ہو گی۔

تشریح :- ان حقوق کے سلسلے میں قانون سے کیا مراد ہے اس کے لئے سوال نمبر2 کا جواب دیکھئے۔

(2) کوئی شخص بلا قانون زندگی' آزادی اور املاک سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

(3) جب کوئی عامل حکومت یا عدالت اس قسم کا حکم نافذ کرے جو کسی شخص کے ان بنیادی حقوق کے خلاف جاتا ہو جو اسے آئین کی رو سے حاصل ہیں تو اس شخص کو ان وجوہات سے مطلع کیا جائے گا جن کی بناء پر وہ حکم نافذ کیا گیا ہے۔

(4) کسی شخص کو کسی ایسے فعل کے ارتکاب پر سزا نہیں دی جائے گی جو ارتکاب کے وقت ازروئے قانون مستوجب سزا نہیں تھا نہ ہی کسی شخص کو کسی جرم کی پاداش میں اس سزا سے زیادہ سزا دی جائے گی جو اس جرم کے لئے اس قانون کی رو سے متعین تھی جو اس فعل کے ارتکاب کے وقت نافذ العمل تھا۔

(5) (الف) جس شخص کو آزادی یا املاک سے محروم کیا جائے تو ایسا کرتے وقت اسے بتایا جائے گا کہ وہ کونسی وجوہات ہیں جن کی بناء پر ایسا کیا جا رہا ہے اس شخص کو حق حاصل ہو گا کہ وہ اپنی پسند کے قانونی مشیر سے مشورہ کرے یا اسے اپنی مدافعت کے لئے مقرر کرے۔

(ب) جس شخص کو گرفتار کیا جائے یا زیر حراست رکھا جائے تو اسے چوبیس گھنٹے کے اندر (جس میں عدالت تک سفر کا وقت شامل نہیں ہو گا) قریب ترین مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا جائے گا اس کے بعد اسے مجسٹریٹ کے حکم کے بغیر زیر حراست نہیں رکھا جائے گا۔

(ج) شق (ب) میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا اطلاق حسب ذیل اشخاص پر نہیں ہو گا۔

(1) جو شخص اس وقت (ملک کا دشمن یا دشمنوں کا طرفدار ہو۔

(2) جس شخص کو کسی ایسے قانون کے ماتحت زیر حراست رکھا گیا ہو جو حفاظتی حراست (Detention Preventive) کے طور پر نافذ العمل ہو۔

(6) کسی شخص کو حفاظتی حراست سے متعلق قوانین کے ماتحت تین ماہ سے زیادہ عرصہ کے لئے زیر حراست نہیں رکھا جائے گا بشرطیکہ وہ مشاورتی بورڈ جو اس مقصد کے لئے متعین کیا گیا ہو تین ماہ کے عرصہ کے اندر اندر اس امر کی رپورٹ کر دے کہ اس کے خیال میں اس حراست کے لئے کافی وجوہات موجود ہیں۔

تشریح :- اس مقصد کے لئے مشاورتی بورڈ سے مراد ایسا بورڈ ہے جو ان اشخاص پر مشتمل ہو جنہیں

سپریم کورٹ کے چیف جسٹس نے مقرر کیا ہو۔

(7) جب کسی شخص کو "حفاظتی حراست" سے متعلق قانون کے ماتحت زیر حراست رکھا جائے تو ایسا حکم صادر کرنے والی اتھارٹی کے لئے ضروری ہو گا کہ اس شخص کو ان وجوہات سے مطلع کر دے جن کی بناء پر اسے زیر حراست رکھا گیا ہے اور اسے جلد از جلد ایسی سہولتیں بہم پہنچائے جن سے وہ اس حکم کے خلاف چارہ جوئی کر سکے۔

اگر وہ اتھارٹی سمجھے کہ اس سلسلہ میں بعض باتیں ایسی ہیں جن کا انکشاف مفاد عامہ کے خلاف جائے گا تو وہ ان کے انکشاف سے انکار کر سکتی ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ ان وجوہات کو تحریری طور پر ریکارڈ کرے۔

(8) ہر شخص کو تقریر اور اظہار خیالات کی آزادی ہو گی لیکن اس باب میں قانون کی رو سے ایسی پابندیاں عائد کی جا سکتی ہیں جو ذیل کے مقاصد کے پیش نظر ضروری خیال کی جائیں۔

(I) مملکت پاکستان کے تحفظ کے لئے۔

(II) دیگر ملکوں سے دوستانہ تعلقات کے سلسلہ میں۔

(III) عوام کے نظم و ضبط کے لئے۔

(IV) شائستگی اور حسن اخلاق کے لئے۔

(V) توہین عدالت کے سلسلہ میں۔

(VI) ارتکاب جرم کے لئے مشتعل کرنے سے روک تھام کے سلسلہ میں۔

(9) تمام شہریوں کو پرامن طریق سے ہتھیاروں کے بغیر کسی جگہ جمع ہونے کا حق حاصل ہو گا۔ اس سلسلہ میں بھی مفاد عامہ کی خاطر ازروئے قانون مناسب پابندیاں عاید کی جا سکتی ہیں۔

(10) تمام شہریوں کو ایسوسی ایشنز یا یونینز بنانے کا حق حاصل ہو گا اس سلسلہ میں بھی ازروئے قانون حسن اخلاق اور نظم و ضبط عوام کے پیش نظر مناسب پابندیاں عاید کی جا سکتی ہیں۔

(11) ان حدود کے اندر رہتے ہوئے جو ازروئے قانون مفاد عامہ کے پیش نظر عاید کی جائیں ہر شخص کو حق حاصل ہو گا کہ۔

(I) وہ پاکستان میں جہاں چاہے آزادانہ آ جا سکے اور جہاں چاہے آباد ہو جائے۔

(II) املاک (Property) حاصل کر سکے۔ اسے اپنی تحویل میں رکھ سکے یا اس میں تصرف کر سکے نیز دیکھئے شق نمبر 21)

(12) ہر وہ شخص جو ان شرائط کو پورا کرتا ہے جو از روئے قانون عائد کی جائیں اس کا حق رکھے گا کہ وہ کسی پیشہ یا حرفہ کو اختیار کر لے جو ازروئے قانون جائز ہو یا اس قسم کی تجارت یا کاروبار کو اختیار کرے۔

واضح رہے کہ حکومت کو اس کا حق حاصل ہو گا کہ وہ

(الف) لائسنس کے قاعدے کی رو سے کسی تجارت یا کاروبار پرپابندیاں عائد کر دے۔ یا

(ب) حکومت اس کاروبار یا تجارت کو اپنے ہاتھ میں لے لے اور دیگر اشخاص کو اس کی اجازت نہ دے یا کسی حد تک اجازت دے۔

(13) (I) کوئی شخص اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ کسی تعلیم گاہ میں ایسی تعلیم حاصل کرے یا کسی ایسی تقریب یا پرستش میں شریک ہو جو اس شخص کے مذہب سے متعلق ہو۔

(II) اگر کوئی مذہبی جماعت چاہے کہ وہ ایسی تعلیم گاہ میں جس کی کلیتہ" کفالت اس جماعت کے ذمہ ہو اپنے ہم مذہب طلباء کو اپنے مذہب کی تعلیم دے تو اسے اس کا حق حاصل ہو گا۔

(III) ایسے تعلیمی اداروں میں جو حکومت سے امداد لیتے ہیں کسی شخص کو محض نسل مذہب ذات یا جائے پیدائش کی بناء پر داخلہ کی ممانعت نہیں ہو گی۔

واضح رہے کہ اس باب میں حکومت کو حق حاصل ہو گا کہ جو لوگ معاشرتی یا تعلیمی میدان میں پیچھے رہ گئے ہوں ان کی کمی پوری کرنے کے لئے خاص اہتمام کرے۔

(IV) مذہبی اداروں کو کسی ٹیکس سے **مستثنیٰ** قرار دینے یا اس میں رعایت دینے کے معاملہ میں کسی جماعت کے خلاف امتیازی سلوک روا نہیں رکھاجائے گا۔

(V) ہر مذہبی جماعت کوحق حاصل ہو گا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق تعلیمی درسگاہیں قائم کرے کسی ایسی درسگاہ کو مملکت محض اس بناء پر تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرے گی کہ اس کاانتظام اس خاص جماعت کے ہاتھ میں کیوں ہے۔

(I) عام تفریح گاہوں میں (بشرطیکہ وہ مذہبی مقاصد کے لئے نہ بنائی گئی ہوں) ہر شخص کو داخلہ کا حق حاصل ہو گا۔ نسل مذہب ذات جنس یا جائے پیدائش کی بناء پر کسی کے خلاف امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جائے گا۔

لیکن حکومت کو حق حاصل ہو گا کہ وہ عند الضرورت عورتوں کے لئے اس باب میں ضروری استثناء کر دے۔

(15) (I) کسی شخص کو املاک سے محروم نہیں کیا جائے گا بجز قانون کی رو سے۔

(II) کسی شخص سے اس کی املاک زبردستی نہیں چھینی جائے گی نہ اس پر زبردستی قبضہ کیا جائے گا ہاں مگر عوام کے فائدے کی خاطر ایسا کیا جا سکے گا اور ایسا کرنے کی مجاز وہ اتھارٹی ہو گی جسے اس مقصد کے لئے قانون مقرر کرے اس قانون کی رو سے اس امر کا فیصلہ بھی کیا جائے گا کہ اس کامعاوضہ دیا جائے گا اور اگردیا جائے تو کس قدر اور کس شکل میں۔

(III) یہ شق حسب ذیل امور پر اثر انداز نہیں ہو گی۔

(الف) ایسا قانون جس کی رو سے مملکت ہر اس جائیداد کو زبردستی لے سکتی ہے یا اس پر قبضہ کر سکتی ہے جو عوام کی جان مال یا صحت کے لئے ضرر رساں ہو۔

(ب) ایسا قانون جس کی رو سے مملکت ایک معین عرصہ کے لئے کسی جائیداد کا انتظام اس مقصد کے لئے اپنے ہاتھ میں لے سکتی ہے کہ اس سے اس جائیداد کے مالک کے مفاد کا تحفظ ہو جائے۔

(IV) اس شق میں "جائیداد یا املاک" سے مراد ہر قسم کی غیر منقولہ جائیداد یا کاروباری اور صنعتی ادارہ یا اس قسم کے اداروں میں حصہ داری ہے۔ (نیز دیکھئے شق نمبر21)

(16) (I) کسی شخص کو کسی کا غلام نہیں بنایا جا سکے گا۔

(II) ہر قسم کی بیگار (زبردستی کام لینے) کی ممانعت ہو گی لیکن مفاد عامہ کے لئے ضرورت پڑے تو مملکت ایسا قانون بنا سکتی ہے۔

(17) مملکت کے تابع ملازمتوں کے سلسلہ میں کسی شخص پر جو کسی ملازمت کے لئے استعداد وغیرہ کی شرائط پوری کرتا ہو محض نسل ذات جنس یا جائے سکونت و پیدائش کی بناء پر داخلہ کا دروازہ بند نہیں کیا جائے گا۔

(18) ہر شخص کو حق حاصل ہو گا کہ وہ قانون نظم و ضبط عامہ اور اخلاقیات کی حدود کی پابندی کرتے ہوئے۔

(I) جونسا مذہب جی چاہے اختیار کرے اس پر عمل کرے اور اس کی تبلیغ کرے۔

(II) ہر مذہبی جماعت اپنے اپنے مذہبی ادارے قائم کرے۔

(19) چھوت چھات کو ختم کر دیا جائے اس پر کسی شکل میں عمل کرنا ازروئے قانون جرم قرار دیا جائے گا۔

(20) (I) جن حقوق کی تصریح اوپر کی گئی ہے اگر مملکت ان میں سے کسی حق کو پورا نہ کرے یا اس کے خلاف کرے تو ہر شخص کو حق حاصل ہو گا کہ وہ اس کے لئے سپریم کورٹ کی طرف رجوع کرے۔

(II) سپریم کورٹ کو اختیار ہو گا کہ وہ ایسے معاملات میں متعلقہ فرد اتھارٹی حکومت وغیرہ کے نام ان حقوق کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہدایات یا احکام صادر کرے (ان میں امتناعی احکام بھی شامل ہیں)

(21) ہر شخص کو رزق (سامان زیست) مکان تعلیم اور اس کی قابلیت عزت نفس اور محنت کے مطابق کام کرنے کے مواقع کا حق حاصل ہو گا ان مقاصد کے حصول کے لئے مملکت کو شق نمبر11 و 15 کے اعلی الرغم جائیداد یا املاک حاصل کر لینے یا ٹیکس عاید کرنے کے قوانین بنانے کا اختیار ہو گا۔

مجلس قانون ساز کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ جس قدر جلد ممکن ہو اس شق کے ماتحت دیئے ہوئے حقوق کو قانوناً نافذ کرنے کے اقدامات کرے۔

سوال نمبر23 کیا آپ مستقبل کی مجالس قانون ساز اور حکومت کے لئے، تمہید اور اصولی ہدایات ۱۹ سابق آئین میں تھے، نئے آئین میں بدستور رکھنا چاہتے ہیں □

جواب۔ آئین کے شروع میں مختصر سی تمہید دی جاسکتی ہے۔ یہ تمہید حسب ذیل خطوط پر ہونی چاہئے۔

(i) مملکت پاکستان اس مقصد کے لئے وجود میں آئی ہے کہ یہ اس خطہ زمین میں قرآن کریم کے غیر متبدل اصولوں کے مطابق نظام قائم کرے تا کہ افراد مملکت کی طبعی ضروریات زندگی پوری ہوں اور ان کی ذات کی نشو و نما ہوتی چلی جائے اور اس طرح وہ اس قابل ہوسکیں کہ دنیا میں امن قائم کریں اور نوع انسانی کی بہبود اور نشو و نما کا ذریعہ بن سکیں۔ مملکت پاکستان ایسے اقدامات کرے گی جس سے اس نصب العین تک بتدریج پہنچا جاسکے۔

(ii) قرآن کریم کے پیش نظر عالمگیر انسانی برادری کی تشکیل ہے جو نسل، رنگ، زبان اور جغرافیائی حدود کے امتیازات سے بلند ہوکر خالص انسانیت کی بنیادوں پر قائم ہو۔ یہ مقصد ان مستقل اقدار کے تحفظ اور ترویج سے خالص ہوسکے گا جن کا تعین قرآن کریم نے کیا ہے اور جن میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کرسکتا۔

مملکت پاکستان کو ان اقدار کی تجربہ گاہ بنایا جائے گا۔ اور اس کے تعمیری نتائج نوع انسانی کی منفعت کے لئے کھلے رکھے جائیں گے۔ تا کہ دیگر اقوام و ممالک بھی انہیں اپنے ہاں آزمائیں۔ اور اس طرح نوع انسانی کی عالمگیر برادری کی تشکیل میں ایک دوسرے سے تعاون کریں۔

(2) اصول ہدایت آئین کا جزو ہونے چاہئیں۔ انہیں مختلف سوالوں کے جواب میں شامل کردیا گیا ہے۔

سوال نمبر24۔سابق آئین میں سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے دائرہ اختیارات اور ان کے ججوں کی شرائط استعداد۔ تقرر اور برطرفی سے متعلق جو دفعات تھیں، کیا آپ انہی دفعات کے اختیار کئے جانے کے حق میں ہیں یا کوئی تبدیلی ضروری سمجھتے ہیں □

جواب۔ سوال نمبر11 کے جواب میں جو "باب اول" تجویز کیا گیا ہے، اس کے حدود کے ماتحت، نیز ان تبدیلیوں کی روشنی میں جو طرز حکومت کے سلسلہ میں تجویز کی گئی ہیں سابق آئین کی دفعات رکھ لی جائیں۔ البتہ سپریم کورٹ کے ججوں کی تعداد کا تعین آئین میں کردیا جائے۔

(2) اگر مقننہ اور انتظامیہ کے حدود و اختیارات کے مسئلہ میں کسی بات پر اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ سپریم کورٹ کرے گی۔ (3) انتظامیہ کو عدلیہ سے الگ کردیا جائے۔

سوال نمبر25۔کیا آپ اٹارنی جنرل اور ایڈووکیٹ جنرل سے متعلق سابق آئین کی دفعات کو برقرار رکھنے کے حامی ہیں۔ کیا آپ اس سلسلہ میں کوئی تجویز پیش کرنا چاہتے ہیں، یا آپ انہی دفعات کو اختیار کریں گے۔

جواب۔ وہی دفعات مناسب ہیں۔

سوال نمبر26۔سرکاری ملازمین کی شرائط ملازمت۔ میعاد۔ عہدہ۔ تقرر اور نظم و ضبط وغیرہ سے متعلق سابق آئین میں جو دفعات تھیں۔ کیا آپ انہیں مناسب سمجھتے ہیں یا ان میں ترمیم کرنا پسند کریں گے۔ اگر آپ ترمیم چاہتے ہیں تو مطلوبہ تبدیلیوں کی نشان دہی کیجئے۔

جواب۔ سابق آئین کی دفعات کو حسب ذیل ترمیمات یا اضافوں کے ساتھ اختیار کرلیا جائے۔

(i) ہر سرکاری ملازم اپنے فرائض کی سرانجام دہی کے معاوضے میں تنخواہ اور قاعدے کے مطابق رخصت کا حقدار ہوگا۔ اور بنیادی حقوق کی طرح اس حق کے پورا کرنے کے لئے سپریم کورٹ کی طرف رجوع کرسکے گا۔

ملازمین کی تنخواہ مقرر کرتے وقت اس امر کا لحاظ رکھا جائے گا کہ وہ ان کی اور ان کے بیوی بچوں کی بنیادی ضروریات زندگی پورا کرنے کے لئے کافی ہے۔

(ii) حکومت کے ملازمین کے تقرر کی موزونیت کے سلسلہ میں حسب ذیل امور کو پیش نظر رکھا جائے گا۔

(ا) قرآن کے اصولوں کا علم

(ب) پاکیزہ اخلاقی زندگی بسر کرنے کی شہرت

(ج) متعلقہ آسامی کے فرائض کی ادائیگی کے لئے ضروری استعداد

(iii) تمام ملازمین لوگوں میں اس قسم کی زندگی بسر کریں گے کہ ان کا قول اور فعل قرآنی احکام کے خلاف نہ جائے۔

(iv) اگر کسی ملازم کا کردار التزاما" مذکورہ بالا شرائط کے خلاف ہو تو متعلقہ اتھارٹی (AUTHORITY) اس ملازم کو ملازمت سے برطرف کرسکتی ہے۔

(v) ہر سول کا ملازم محکمانہ سزا کے خلاف اس ٹریبونل کے پاس اپیل کا حق رکھے گا جو اس مقصد کے لئے قائم کیا جائے گا۔ اس ٹریبونل میں سول سروس کے حکام اعلیٰ اور ہائیکورٹ کے ججوں کی تعداد برابر برابر ہوگی۔ جج اس کا چیئرمین ہوگا۔

(vi) اس قسم کی اپیل کے سلسلے میں یہ ٹریبونل سزا دینے والی اتھارٹی سے رپورٹ طلب کرے گا اور متعلقہ کاغذات منگوائے گا۔

(vii) متعلقہ ملازم کی درخواست پر یا از خود' ٹریبونل فریقین کو یا گواہوں کو اپنے سامنے پیش ہونے کا حکم دے سکے گا۔ ٹریبونل کا کورم دو ہوگا اور وہ مشرقی اور مغربی پاکستان میں بیک وقت کام کرسکے گا۔

(viii) جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے تمام اعلیٰ اسامیوں پر تقرر چار سالہ معاہدہ کی رو سے ہوگا۔ سینٹ کی

توثیق کے بغیر ان اسامیوں پر تقرر نہیں ہوسکے گا اور سینٹ کو انہیں برطرف کرنے کا بھی اختیار ہوگا۔

سوال نمبر27-فرانس میں ایک جامع نظام موجود ہے جو انتظامیہ قانون کہلاتا ہے۔ اس قانون کے تحت
(ا) نظم و ضبط وغیرہ کے امور میں اپنے ملازمین کے ساتھ تعلقات اور
(ب) اپنے فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں ملازمین کے عوام سے تعلقات کو انتظامیہ عدالتوں کے ایک نظام کے ذریعے نظم و ضبط رکھا جاتا ہے۔ سب سے بڑی انتظامیہ عدالت کونسل اوف اسٹیٹ کہلاتی ہے۔ یہ کونسل زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے ممتاز افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور مذکورہ بالا امور میں فیصلے کی آخری عدالت کے طور پر فرائض سرانجام دینے کے علاوہ بہت سے اہم شعبوں میں حکومت کے مشیر کی حیثیت سے بھی کام کرتی ہے۔ فرانس میں اس نظام کی کارکردگی کو نہایت تسلی بخش سمجھا جاتا ہے۔ کیا آپ کے خیال میں اس نظام کا نفاذ ترمیم شدہ صورت میں فائدہ بخش ہوگا۔

جواب- پاکستان میں فرانس والا سسٹم موزوں ثابت نہیں ہوگا۔ انگلستان میں 1947ء سے ایک قانون نافذ ہے جسے (CROWN PROCEEDINGS ACT) کہتے ہیں۔ اس قانون کی رو سے ہر شہری کو اس کا حق حاصل ہوتا ہے کہ حکومت کے کسی نمائندے کے کسی فیصلہ یا اقدام سے اگر اسے کسی قسم کا نقصان پہنچا ہوتو وہ اس کے خلاف عدالت میں چارہ جوئی کرسکتا ہے۔ اگر پاکستان میں اسی قسم کا قانون نافذ کردیا جائے۔ تو موجودہ سسٹم میں کسی مزید تبدیلی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

سوال نمبر28- سابق آئین میں پبلک سروس کمیشن کے بارے میں جو دفعات موجود ہیں کیا آپ ان کے حق میں ہیں یا کوئی تبدیلی ضروری سمجھتے ہیں □

جواب- طرز حکومت کی مجوزہ تبدیلی کے پیش نظر سابقہ آئین کی متعلقہ دفعات میں ضروری تبدیلیاں کردی جائیں۔ کمیشن کے چیئرمین اور ممبروں کے تقرر کے سلسلہ میں پہلے کہا جاچکا ہے کہ وہ سینٹ کی منظوری سے ہوگا۔

سوال نمبر29-کیا تمام سطحوں پر انتخابات کے انعقاد کا کام پاکستانی انتخابی کمیشن کو سونپا جائے اور کیا اسے انتخاب اور ضمنی انتخاب کی تیاری اور انعقاد کے تمام ضروری اقدامات عمل میں لانے کا ذمہ دار قرار دیا جائے □

جواب- جی ہاں۔ لیکن اس سلسلے میں حسب ذیل امور بھی ضروری ہیں۔
(i) تمام ملک میں ایک ہی دن الیکشن ہوجانے چاہئیں۔
(ii)چونکہ ہر بالغ کو حق رائے دہندگی حاصل ہوگا۔ اس لئے نمائندگان کے انتخاب کے لئے انتخابی فہرستیں مرتب کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ البتہ سینٹ کے انتخاب کے سلسلہ میں ان فہرستوں کی ضرورت ہوگی۔

(iii) اس قسم کا طریق اختیار کیا جائے جس سے بادی النظر میں معلوم ہوجائے کہ فلاں شخص ووٹ ڈال چکا ہے۔ اس سے الیکشن کی بہت سی خرابیوں کا ازالہ ہوجائے گا۔ (مثلاً" ووٹ ڈالنے والے کا ہاتھ کسی ایسے پختہ رنگ سے رنگ دیا جائے جو دو تین دن تک نہ چھوٹ سکے)۔

(iv) حلقہ ہائے انتخاب بہت وسیع ہوں۔ امیدوار جتنے ووٹ حاصل کریں۔ علی الترتیب ان کی فہرست بنالی جائے اور اس حلقے میں جتنی نشستیں ہوں اتنے اوپر کے امیدوار کامیاب تصور کر لئے جائیں۔ انتخابی حلقے اس طرح بنائے جائیں کہ ہر حلقے میں حتی الامکان شہری اور دیہاتی آبادی مخلوط طور پر شامل ہو۔

(v) الیکشن کمشنر ایسا انتظام کرے کہ ہر حلقے میں امیدواروں کو اپنے تعارف کے لئے مشترکہ پلیٹ فارم مل جائیں۔ چونکہ ملک میں پارٹیاں ممنوع ہوں گی اس لئے الیکشن پارٹی کی بنیادوں پر نہیں ہوگا۔

سوال نمبر30-کیا انتخابی کمیشن' انتخابی فہرستوں کی تیاری اور ان پر نظرثانی کا کام سرانجام دے □ کیا انتخابی کمیشن کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ بنیادی جمہوریتوں کے لئے انتخابی فہرستوں کی تیاری کا انتظام کرے اور ان کے تحت انتخابات کی نگرانی کرے۔ یا انتظامیہ کو یہ فرائض سرانجام دینے چاہئیں۔

جواب- یہ کام الیکشن کمیشن کو کرنے چاہئیں۔ انتظامیہ کو انتخابات میں دخل دینے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

سوال نمبر31-کیا چیف انتخابی کمشنر اور انتخابی کمشنروں کے تقرر صدر کو اپنی صوابدید کے مطابق کرنے چاہئیں یا ان کی منظوری مقننہ کو دینی چاہئے۔ یا آپ تقرر کا کوئی اور طریقہ یا انتخابی کمیشن کی آزادی کے تحفظ کے لئے کوئی اور دفعہ تجویز کریں گے۔

جواب- جیسا کہ پہلے بھی لکھا جاچکا ہے چیف انتخابی کمشنر اور انتخابی کمیشن کے ممبروں کا تقرر سینٹ کی توثیق سے ہونا چاہئے۔

سوال نمبر32-سابق آئین میں حد بندی کمیشن کے متعلق جو دفعات ہیں کیا آپ انہی دفعات کو اختیار کریں گے یا ان میں تبدیلی کریں گے □

جواب- جو کچھ سوالات نمبر29 - 31 کے جوابات میں کہا گیا ہے اس کی روشنی میں سابقہ آئین کی دفعات میں مناسب تبدیلیاں کی جائیں۔

سوال نمبر33-سابق آئین میں جنگ یا داخلی انتشار کے دنوں میں عمل میں لائے جانے والے بعض خاص اقدامات کے متعلق دفعات موجود ہیں۔ کیا آپ ان دفعات کو مناسب سمجھتے ہیں یا آپ انہیں تبدیل کردیں گے۔

جواب- ہنگامی حالات میں صدر کے اختیارات کے سلسلہ میں جو کچھ پہلے کہا جاچکا ہے۔ اس کے پیش نظر سابق آئین کی متعلقہ دفعات کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ (دیکھئے سوال نمبر8 کا جواب)

سوال نمبر34-کیا آپ یہ ضروری خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو اسلام کی بنیادی اقدار کے مطابق اور زندگی کے تغیر پذیر حالات پر ان کے اطلاق میں مدد دینے کے لئے نئے آئین میں بعض دفعات شامل ہونی چاہئیں۔ اگر ایسا ہے تو آپ اس سلسلہ میں کون سے خصوصی اقدامات پسند کرتے ہیں؟

جواب- قرآنی اقدار کا سمجھنا اور سمجھانا اور اس امر پر غور و فکر کرنا کہ انہیں زمانے کے بدلتے ہوئے حالات پر کس طرح منطبق کیا جائے ہر مسلمان اور مسلمانوں کے اجتماعی نظام کا بنیادی فریضہ ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ان سب کا باہمی تعاون نہایت ضروری ہے۔ مملکت اس سلسلہ میں بہت کچھ کرسکتی ہے۔ اس کے لئے حسب ذیل تجاویز ضروری معلوم ہوتی ہیں۔

(i) ہمارے لٹریچر میں (عربی اور فارسی زبان میں) جس قدر نامور کتابیں مذہب سے متعلق ہیں ان کا ترجمہ شائع کیا جائے۔

(ii) ریسرچ کا محکمہ قائم کیا جائے جس میں قرآن کریم کے متعلق اجتماعی طریق سے ریسرچ کی جائے۔

(iii) تمام بڑے بڑے شہروں میں لائبریریاں کھولی جائیں جن میں قدیم اور جدید ترین کتابیں موجود ہوں تا کہ ان کے ذریعے افراد بھی اس سلسلہ میں حتی الامکان کام کرنے کے قابل ہوسکیں۔

(iv) نظام تعلیم میں ایسی ترمیم کی جائے جس سے مذہبی اور دنیاوی تعلیم کی موجودہ ثنویت بتدریج ختم ہوجائے۔

(v) جو ادارے یا افراد علمی یا قرآنی ریسرچ کا کام کر رہے ہیں حکومت ان کے کام کا جائزہ لے اور جنہیں اسلامی آئیڈیالوجی کے نقطہ نگاہ سے مفید پائے ان کی معاونت کرے۔

سوال نمبر35- سابق آئین میں یوم آئین سے دس سال تک قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں میں خواتین کے لئے نشستیں مخصوص کی گئی تھیں کیا آپ اس قسم کی تخصیص کو ضروری سمجھتے ہیں؟

جواب- ضرورت نہیں۔ قرآن جس قسم کے معاشرہ کا تصور پیش کرتا ہے اس میں جنسی تفریق کی بناء پر کوئی تصادم واقع نہیں ہوتا انہیں یکساں مواقع میسر ہونے چاہئیں۔

سوال نمبر36- آپ اچھوتوں اور پسماندہ جماعتوں کے لئے کونسی خصوصی دفعات تجویز کریں گے؟

جواب- ضرورت نہیں۔

سوال نمبر37- سابق آئین میں "خارج کردہ" اور "خاص علاقوں" کے لئے خاص دفعات تھیں۔ کیا آپ ان میں کوئی تبدیلی چاہتے ہیں؟

جواب- ان دفعات کی ضرورت نہیں۔ انتظامیہ خود سوچ سکتا ہے کہ کسی علاقے کی پسماندگی رفع کرنے کے لئے کیا کرنا چاہئے؟

سوال نمبر38- آپ آئین میں ترمیم کے لئے کونسی شکل تجویز کریں گے؟ کیا آپ سادہ اکثریتی ووٹ کے ذریعہ یا اس سے بڑے مثلاً" دو تہائی یا تین چوتھائی اکثریتی ووٹ کے ذریعے ترمیم پسند کریں گے۔

جواب- ہر دو ایوانات کے مشترکہ اجلاس میں 2/3 کی اکثریت سے آئین میں تبدیلی کی جا سکے لیکن جو کچھ مجوزہ باب اول (سوال نمبر102) میں کہا گیا ہے اس میں تبدیلی کرنے کا حق کسی کو نہیں ہو گا۔

سوال نمبر39- آپ اور کونسی تجاویز پیش کرنا چاہتے ہیں جن کی رو سے ایسی جمہوریت (مستحکم طور پر) قائم ہو سکے جو اسلام کے عدل' مساوات اور رواداری کے اصولوں پر مبنی ہو اور جس میں بدلتے ہوئے حالات سے ہم آہنگ رہنے کی صلاحیت ہو۔

جواب- سب سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ جمہوریت عدل ' مساوات اور رواداری کی اصطلاحات سے مفہوم کیا ہے اور جب ہم عدل' مساوات اور رواداری کے "اسلامی اصول" کا ذکرکرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد کیا ہوتی ہے۔ یعنی ان اصولوں کے اسلامی اور غیر اسلامی ہونے میں کیا فرق ہے۔ اس سے یہ بات سامنے آئے گی کہ پاکستان میں صحیح اسلامی جمہوریت کے قیام کی صورت کیا ہو سکتی ہے۔

ذیل میں اس امر کی وضاحت کی کوشش کی جاتی ہے۔

(I) **جمہوریت** :- یہ ہمارے دور کی اہم سیاسی اصطلاح ہے جس سے یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ مملکت میں اقتدار اعلی عوام کو حاصل ہے۔ عوام کے نمائندے باہمی مشورے سے مملکت کے قوانین اور حکومت کے ضوابط مرتب کرتے ہیں اور ان کی اکثریت کا فیصلہ ہر معاملہ میں حرف آخر ہوتا ہے۔ ان پر کسی اور کا اقتدار نہیں ہوتا۔ یہ جمہوریت کا سیکولر تصور ہے۔

اس کے برعکس اسلامی جمہوریت یہ ہے کہ اللہ تعالی نے تمام انسانوں کے لئے غیر متبدل اصول اور مستقل اقدار مقرر کر دی ہیں جن میں ردوبدل کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں - افراد مملکت ان اصولوں کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے باہمی مشورے سے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق جزئی قوانین مرتب کرسکتے ہیں۔ یہ اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے اور ان کے دائرے کے اندر مرتب کردہ جزئی قوانین میں عند الضرورت تغیر و تبدیل ہو سکے گا۔ اس اعتبار سے مملکت میں اقتدار اعلی قرآن کے غیر متبدل اصولوں کو حاصل ہوتا ہے نہ کہ عوام کو یا کسی فرد کو۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں:-

اسلام کا پیش کردہ تصور یہ ہے کہ حیات کلی کی روحانی اساس ازلی اور ابدی ہے لیکن اس کی نمود تغیر و تنوع کے پیکروں میں ہوتی ہے جو معاشرہ حقیقت مطلق کے متعلق اس قسم کے تصور پر متشکل ہو اس کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ اپنی زندگی میں مستقل اور تغیر پذیر عناصر میں تطابق و توافق پیدا کرے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پاس اپنی اجتماعی زندگی کے نظم و ضبط کے لئے مستقل اور ابدی اصول ہوں اسلئے کہ اس دنیا میں جہاں تغیر کا دور دورہ ہے ابدی اصول ہی وہ مقام سہارا بن سکتے ہیں جن پر انسان اپنا پاؤں ٹکا سکے لیکن اگر ابدی اصولوں کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ ان کے دائرے میں تغیر کا امکان ہی نہیں تو اس سے زندگی جو اپنی فطرت میں متحرک واقع ہوئی ہے یکسر جامد اور متصب بن کر رہ جائے گی۔ یورپ کو عمرانی و سیاسی دوائر میں جو ناکامی ہوئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں کوئی ابدی اور غیر متبدل اصول حیات نہیں ہیں۔ اس کے برعکس گذشتہ پانچسو سال سے اسلام جس قدر جامد اور متحرک بن کر رہ گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے مستقل اقدار کے دائرے میں اصول تغیر کو نظر انداز کر رکھا ہے۔ (خطبات تشکیل جدید خطبہ نمبر6)

لہٰذا اگر ہم نے جمہوریت کو قرآن کے غیر متبدل اصولوں کا پابند نہ کیا تو جو حشر مغربی اقوام کا ہے وہی ہمارا ہو گا بلکہ اس سے بھی بدتر۔ اور اگر ہم نے ان اصولوں کے اندر اصول تغیر کو نظر انداز کردیا تو ہم زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دینے کے قابل نہیں ہوسکیں گے۔ یہ ہے جمہوریت کی وہ شکل جسے اسلامی کہا جائے گا۔ چونکہ اس قسم کی جمہوریت قائم کرنا ملت کا مشترکہ فریضہ ہے اس لئے اس میں نہ ملوکیت بارپا سکتی ہے نہ ڈکٹیٹر شپ۔

(II) **عدل** :- عام طور پر عدل سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ متنازعہ فیہ معاملات کے فیصلے رائج الوقت قانون کے مطابق کئے جائیں بلا لحاظ اس امر کے کہ خود وہ قانون بھی عدل انسانی کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے یا نہیں۔ عدل کا اسلامی تصور اس سے وسیع تر ہے اس کی رو سے عدل سے مفہوم یہ ہے کہ

(I) تمام انسانوں کو پیدائش کے اعتبار سے یکساں واجب التکریم سمجھا جائے۔
(II) ہر ایک کی صلاحیتوں کی نشوونما کے لئے یکساں ذرائع اور مواقع بہم پہنچائے جائیں۔
(III) معاشرہ میں ہر ایک کی پوزیشن ذاتی صلاحیتوں اور حسن کردار کی رو سے متعین کی جائے۔
(IV) ہر ایک کو اس کی صلاحیتوں کے مطابق کام دیا جائے۔
(V) ہر ایک پر قانون کا اطلاق یکساں ہو اور
(VI) کوئی ایسا قانون نافذ نہ کیا جائے جو قرآنی اصولوں سے ٹکرائے۔

اسلامی جمہوریت عدل کے ان تقاضوں کو پورا کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔
جہاں تک عدالتی عدل کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ عدالتوں کو (بالخصوص عدالت عالیہ) کو ہر قسم کے خارجی اثرات سے بلند رکھاجانا چاہئے ان پر خدا کی عاید کردہ حدود کے علاوہ اور کوئی حدود و قیود نہیں ہونی چاہئیں۔

(III) **مساوات** :- کا عام تصور بڑا مبہم اور غیر واضح ہے اور یہی وجہ ہے کہ عملی سیاسیات میں یہ لفظ شرمندہ معنی نہیں ہوتا۔ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ قانون کی نگاہ میں سب یکساں ہیں۔ مساوات کے اسلامی تصور میں وہ تمام شقیں آ جاتی ہیں جن کا ذکر عدل کے ضمن میں کیا جا چکا ہے اس حقیقت کو اور سمٹایا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ مساوات سے مراد یہ ہے کہ
کوئی شخص نہ کسی دوسرے کا محکوم ہو نہ محتاج اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا صحیح صحیح نتیجہ ملتا جائے۔

(IV) **رواداری** :- مساوات کی طرح رواداری کا عام مفہوم بھی بڑا مبہم ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہر شخص کو مذہبی عقائد اور پرستش کی آزادی حاصل ہو اور اختلاف عقائد کو برداشت کیا جائے۔ اسلام کی رو سے رواداری کا تصور اس تصور سے وسیع تر ہے لیکن اس کے ساتھ ہی بعض حیثیتوں سے جداگانہ بھی۔ جہاں تک اس تصور کی وسعت کا تعلق ہے قران کہتا ہے کہ

(الف) ہر شخص کو مذہب چھوڑنے یا اختیار کرنے کی پوری پوری آزادی ہو گی۔
(ب) کسی شخص کے معبودوں کو برا نہیں کہا جائے گا۔
(ج) تمام اہل مذاہب کی پرستش گاہوں کی حفاظت کی جائے گی۔
(د) کسی کو اختلاف مذہب کی بناء پر انسانی حقوق سے محروم نہیں کیا جائے گا۔
(ر) دشمن سے بھی عدل کیا جائے گا۔

لیکن قران محض سطحی جذبات سے کام نہیں لیتا۔ وہ حقائق کا سامنا کرتا ہے۔ اور رواداری کے اس وسیع مفہوم کے ساتھ کھلے الفاظ میں کہتا ہے کہ جہاں تک قرآنی اصولوں کا تعلق ہے ان میں نہ کسی قسم کی نرمی برتی جا سکتی ہے۔ نہ کسی سے رعایت کی جا سکتی ہے اور نہ مداہنت یا مفاہمت (Compromise) سے کام لیا جا سکتا ہے۔ سطحی رواداری اور قران کے صحیح تصور روداری پر بحث کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے (پنڈت نہرو کے اعتراض کے جواب میں) کہا تھا کہ جو لوگ ہر معاملہ میں رواداری رواداری پکارتے پھرتے ہیں وہ رواداری کے صحیح مفہوم کو سمجھتے ہی نہیں اس ضمن میں انہوں نے پہلے گبن (gIBBON) کے الفاظ کو نقل کیا' جن میں وہ کہتا ہے کہ
ایک رواداری فلاسفر کی ہے جس کے نزدیک تمام مذاہب یکساں طور پر سچے ہیں۔ ایک رواداری

مورخ کی ہے جس کے نزدیک تمام مذاہب یکساں پور پھوٹے ہیں ایک رواداری سیاستدان کی ہے جس کے نزدیک تمام مذاہب یکساں طور پر مفید ہیں ایک رواداری اس شخص کی ہے جو ہر قسم کے عقائد و مسالک کو اس لئے برداشت کرتا ہے کہ خود اس کا کوئی عقیدہ اور مسلک نہیں ہوتا۔ ایک رواداری کمزور انسان کی ہے جو ان تمام عقائد اور شخصیتوں کے خلاف جنہیں وہ بڑا عزیز رکھتا ہے چپکے سے ہر قسم کی توہین برداشت کر لیتا ہے۔

اس کے بعد علامہ اقبالؒ لکھتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی رواداری بھی اخلاقی قدر نہیں رکھتی۔ اس کے برعکس اس قسم کی رواداری اس حقیقت کی غماز ہوتی ہے کہ یہ شخص اخلاقی اور روحانی طور پر بے حد کمزور ہے۔ حقیقی رواداری ذہنی وسعت اور روحانی پہنائیوں کی پیداوار ہوتی ہے۔ یہ رواداری اس انسان کی ہوتی ہے جو روحانی طور پر بڑا طاقتور ہوتا ہے وہ اپنے ایمان (دین) کی سرحدوں کی حفاظت میں بڑا غیور واقع ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی دیگر مذاہب میں جہاں جہاں کوئی خوبی نظر آئے اس کی داد دیتا ہے۔ اس قسم کی رواداری صرف ایک مسلمان کے سینے میں پیدا ہو سکتی ہے۔

(Speeches and Statements of Iqbal P-115)

اسلام کی یہی وہ اصول پرستی ہے جس کی بناء پر علامہ اقبالؒ نے مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) کے نظریہ متحدہ قومیت کے جواب میں کہا تھا کہ

اسلام ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے اصول کی حیثیت میں کوئی لچک اپنے اندر نہیں رکھتا۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب تحریک پاکستان کے دوران مولانا حسین احمد مرحوم نے کہا تھا کہ "قوم وطن کے اشتراک سے بنتی ہے" یعنی ایک ملک میں بسنے والے مسلم و غیر مسلم ایک قوم کے فرد ہوتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اس تصور کو قرآن کی تعلیم کے خلاف اور غایت نبوت محمدیہ کے منافی قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ رواداری کے یہ معنی نہیں کہ ہم قرآن کے اصولوں میں کسی غیر قرآنی اصول یا نظریہ کے ساتھ مفاہمت (Compromise) کر لیں۔ لہٰذا آئین سازی کے سلسلہ میں اس اصول کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے اور غیر مسلموں کو مملکت میں صرف اتنی پوزیشن دینی چاہئے جتنی قرآن دیتا ہے۔ اگر وہ اس پوزیشن پر مطمئن نہ ہوں تو وہ کسی اور مملکت کی طرف نقل مکانی کر سکتے ہیں۔ اس صورت میں مملکت پاکستان انہیں ان کے مامن تک بحفاظت پہنچانے کی ذمہ دار ہو گی۔

یہ بھی واضح رہے کہ اسلام کے اصول عدل، مساوات اور رواداری تک محدود نہیں۔ اس فہرست میں اور بھی بہت سے اصول شامل ہیں۔ اسلامی مملکت کی بنیاد ان تمام اصولوں پر رکھی جائے گی جو قرآن میں دیئے گئے ہیں۔ یہ نہیں ہو گا کہ ان میں سے بعض کو لے لیا جائے اور بعض کو چھوڑ دیا جائے قرآن اس کی سخت مخالفت کرتا ہے (ملاحظہ ہو 2/58) البتہ (جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے) یہ

ہو سکتا ہے کہ ان اصولوں کو بطور نصب العین سامنے رکھا جائے اور اپنے حالات کے مطابق بتدریج ان تک پہنچا جائے۔ قرآن کے اصول ہر حال میں غیر متبدل رہیں گے اور ان کے اندر رہتے ہوئے جزئیات زمانے کے تقاضے کے ساتھ بدلتی جائیں گی۔

سوال نمبر40- کیا آپ کوئی اور ایسی تجاویز پیش کرنا چاہتے ہیں جن کا تعلق کمیشن کے دائرہ کار سے ہو؟

جواب۔ سابقہ صفحات میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ ان امور تک محدود ہے جنکے متعلق کمیشن نے استفسار کیا ہے اس لئے ہمارے جوابات مکمل آئین مرتب کر کے نہیں دیتے۔ اگر کمیشن چاہتا تو ایسا بھی کیا جا سکتا تھا۔ اس سلسلہ میں البتہ ایک بات ایسی ہے جس کا ذکر کرنا نہایت ضروری ہے۔

عام طور پر پوچھا جاتا ہے کہ وہ کونسی بنیادی خصوصیت ہے جو اسلامی آئین کو دیگر مملکتوں کے آئین اور نظام سے ممتاز کرتی ہے؟ یہ سوال واقعی اہم اور غورطلب ہے۔

قرآن کریم زندگی کے جو اصول دیتا ہے وہ بے مثل و بے نظیر ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ انسان اپنے ناکام تجارب کے بعد رفتہ رفتہ زندگی کے ان اصولوں کی طرف آ رہا ہے۔ اور بعض ممالک نے ان میں سے بعض اصول اپنے ہاں رائج بھی کر لئے ہیں۔ لیکن قرآنی نظام کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اپنے پورے پورے نتائج اسی صورت میں مرتب کرتا ہے جب اسے **کلیتہ** اختیار کیا جائے۔ اس کے بعض اصولوں کو کسی دوسرے نظام کے ساتھ پیوست کرنے سے وہ نتائج مرتب نہیں ہو سکتے۔ (مثلاً) اس وقت دنیا میں دو قسم کے نظام کار فرما ہیں۔ ایک ہمہ گیر مملکت (Totalitarian State) کا حامی ہے اور روس اور چین اس کی تجربہ گاہ۔ اس نظام میں مملکت اس کا دعوی کرتی ہے کہ وہ افراد مملکت کی بنیادی ضروریات زندگی بہم پہنچانے کی ذمہ دار ہے اس کے لئے وہ ذرائع پیداوار کو اپنے ہاتھ میں لے لیتی ہے۔ یہ مملکت افرادکو روٹی کپڑا تو دیتی ہے لیکن ان کی آزادی اس بری طرح سے سلب کر لیتی ہے کہ ان کی انفرادیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ انسانوں کی بجائے مشینیں بن کر رہ جاتے ہیں۔ دوسری طرف مغربی جمہوریتوں کا نظام ہے۔ یہ نظام فرد کی آزادی کا دعویدار ہے اور عدم مداخلت کی پالیسی پر کاربند۔ اس عدم مداخلت کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض افراد کے پاس دولت بے حد و نہایت جمع ہو جاتی ہے اور عوام اپنی روٹی تک کے لئے ان کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ یعنی کمیونزم کے نظام میں افراد کی آزادی کو مملکت سلب کرتی ہے اور مغرب کے سرمایہ دارنہ نظام میں ان کی آزادی کو وہ افراد چھین لیتے ہیں جن کے ہاتھ میں ذرائع پیداوار ہوتے ہیں۔ انسانیت نہ اس نظام میں نشوونما پاتی ہے نہ اس میں۔

جب ہمہ گیر مملکت (کمیونزم کے نظام) سے کہا جائے کہ فرد کی آزادی کا بھی خیال رکھنا چاہئے تو

وہ کہتے ہیں کہ افراد کی بنیادی ضروریات زندگی کو مملکت پورا کر دے تو افراد کام نہیں کرتے۔ ان سے کام لینے کے لئے ان کی آزادی کو مملکت کے پروگرام کے تابع رکھنا ضروری ہے۔

جب مغربی جمہوریتوں سے کہا جائے کہ افراد کی زر اندوزی اور جائیداد سازی پر کچھ پابندی عائد کرنی چاہئے تا کہ انسانیت طبقاتی تفریق کی نذر نہ ہو جائے تو وہ کہتے ہیں کہ اگر ذاتی جائیدادوں پر پابندی عائد کر دی جائے تو انسان کے لئے کام کرنے کا جذبہ محرکہ (Incentive) نہیں رہتا۔

یہ ہیں وہ دو نظام ہائے زندگی جن میں اس وقت دنیا بٹی ہوئی ہے۔ ان کے برعکس قرآنی نظام زندگی اور تصور حیات ہے۔ اس کی رو سے

(1) انسان کے متعلق بنیادی تصور یہ ہے کہ انسان صرف اس کے جسم سے عبارت نہیں جسم کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے جسے انسانی ذات کہتے ہیں۔ زندگی کا مقصد انسانی ذات کی نشوونما ہے جس کے لئے جسم کی پرورش بھی ضروری ہے۔

(2) مملکت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ انسانی جسم اور اس کی ذات کی نشوونما کے سامان بہم پہنچائے۔

(3) جسم کی پرورش کے لئے بنیادی ضروریات زندگی کا بہم پہنچانا گزیر ہے اور ذات کی نشوونما کے لئے آزادی لاینفک۔

(4) افراد کے جسم کی پرورش کے لئے مملکت ذرائع پیداوار اپنی تحویل میں رکھتی ہے لیکن چونکہ اس کا فریضہ فرد کی ذات کی نشوونما بھی ہے اس لئے وہ اس کی آزادی کے راستے میں بھی حائل نہیں ہوتی۔

(5) آزادی کے معنی یہ ہیں کہ انسان پر ان پابندیوں کے علاوہ جو اس کے خدا نے (قرآن کریم میں) عائد کی ہیں اور کوئی پابندی عائد نہیں کی جائے۔ اس مقصد کے لئے اسلامی مملکت اس امر کا اعلان کرتی ہے کہ اس کا تمام کاروبار قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی چار دیواری کے اندر سرانجام پائے گا۔

(6) دوسری طرف فرد کا یہ ایمان ہوتا ہے کہ جس طرح اس کے جسم کی پرورش ان چیزوں سے ہوتی ہے جنہیں وہ خود کھاتا یا استعمال کرتا ہے اس کی ذات کی نشوونما اس سے ہوتی ہے جسے وہ دوسروں کی نشوونما کے لئے دیتا ہے۔ لہٰذا وہ پوری پوری محنت سے کام کرتا ہے اور اپنی ضروریات سے زائد جو کچھ ہوتا ہے اسے دوسروں کی نشوونما کے لئے عام کر دیتا ہے۔ یہ ہے وہ جذبہ محرکہ جس کے ماتحت افراد ذاتی جائیدادیں بنانے کی ہوس سے بلند ہو کر زیادہ سے زیادہ محنت کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

(7) اسلامی مملکت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے کے حالات کی روشنی میں دیکھے کہ یہ دونوں مقاصد (یعنی افراد کی ضروریات زندگی کا بہم پہنچانا اور ان کی آزادی کو برقرار رکھنا) جنہیں کوئی اور

نظام یکجا نہیں کر سکا کس طرح حاصل ہو سکتے اور وہ فضا کیسے پیدا ہو سکتی ہے جس میں افراد کے اندر کام کرنے کی وہ امنگ جس کا ذکر اوپر کی گیا ہے زیادہ سے زیادہ ابھرتی چلی جائے۔

مملکت پاکستان اسی مقصد کے حصول کے لئے وجود میں آئی ہے اس لئے اس کے آئین کو اسی تصور حیات اور نظام زندگی کا آئینہ دار ہونا چاہئے اس میں شبہ نہیں کہ جس مقام پر ہم اس وقت کھڑے ہیں وہاں سے مذکورہ بالا منزل کے پہنچنے میں وقت لگے گا لیکن ہمارے آئین میں اس کی صراحت ہونی چاہئے کہ وہ ہماری منزل مقصود ہے اور اس تک یوں بتدریج پہنچا جائے گا ہمارے جوابات اس منزل تک بتدریج پہنچنے کی ضرورت کو سامنے رکھ کر مرتب کئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آئین کمیشن اور حکومت پاکستان کو اس کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ پاکستان کا آئین قرآن کریم کی بنیادوں پر مرتب اور نافذ کرسکیں تاکہ دنیا میں ایک بار پھر عروج آدم کا دور وجہ شادابی کائنات بن جائے **ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم**

چاروں طرف سے آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ

- مشرقی پاکستان کی علیحدگی نے ثابت کر دیا ہے کہ دو قومی نظریہ غلط ہے۔
- قائداعظمؒ نے خود اپنی 11 اگست کی تقریر میں اس سے رجوع کر لیا تھا۔
- قومیت کا مدار وطن کی جامعیت ہے' نہ کہ ایمان (نظریہ) کا اشتراک۔
- مذہب کو سیاست سے الگ رکھنا چاہئے ورنہ رہا سہا پاکستان بھی ختم ہو جائے گا۔
- نظریہ پاکستان محض ایک افسانہ ہے جس کی حقیقت کچھ نہیں۔
- انسانی زندگی میں کوئی قدر ناقابل تغیر نہیں۔ ہمیں اپنے فیصلے حالات کے مطابق کرتے رہنا چاہئے۔
- اگر ہم پاکستان کی سلامتی چاہتے ہیں تو بھارت کے ساتھ کنفیڈریشن کر لینی چاہئے۔
- پاکستان میں متعدد قومیں بستی ہیں اس لئے صوبجاتی خودمختاری ضروری ہے۔
- قائداعظمؒ زندہ ہوتے تو وہ اسی قسم کا پاکستان بناتے۔

سوال یہ ہے کہ

اگر قائداعظمؒ زندہ رہتے تو وہ کس قسم کا پاکستان بناتے ------ بالفاظ دیگر قائداعظمؒ کے تصور کا پاکستان کیا تھا؟

یہ وقت کا نہایت اہم سوال ہے جس کے صحیح جواب پر پاکستان کے مستقبل کا دارومدار ہے اور یہ جواب قائداعظمؒ کے تحریک پاکستان کی دینی اساس سے متعلق ذاتی مشیر اور تحریک پاکستان گولڈ میڈلسٹ علامہ پرویز کی تالیف میں ملے گا۔ جس کا عنوان ہے۔

قائداعظمؒ کے تصور کا پاکستان

ضرورت ہے کہ اسے قوم کے نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ میں عام کیا جائے کہ پاکستان کے مستقبل کا انحصار ہی ان کے زاویہ نگاہ کی درستی پر ہے۔

قیمت (علاوہ ڈاک خرچ)

اعلیٰ ایڈیشن 200 روپے
سٹوڈنٹ ایڈیشن 100 روپے

مینجر طلوع اسلام ٹرسٹ

خریداران طلوع اسلام کے لئے ضروری اعلان

ملک میں پھیلی ہوئی ہوشربا گرانی کی وجہ سے "طلوع اسلام" کی مالی حالت پر جو نقصان رساں اثر پڑ رہا تھا ہم کسی طرح اس کا مقابلہ کئے جارہے تھے۔ ہماری کوشش یہ تھی کہ ہم مجلّہ طلوع اسلام کے خریداروں پر مزید بوجھ کا باعث نہ بنیں۔ لیکن اب یہ بوجھ ہماری حد برداشت سے باہر ہوگیا ہے۔ اس لئے ہم بادل نخواستہ مجلّہ طلوع اسلام کی قیمت بڑھا رہے ہیں۔ جو جنوری 1997ء سے حسب ذیل ہوگی۔

اندرون ملک۔	سالانہ چندہ۔ 170 روپے۔	فی شمارہ۔ 15 روپے مع پیکنگ و ڈاک خرچ
بیرون ملک۔	ایشیا و یورپ	600 روپے۔ آسٹریلیا' امریکہ' کینیڈا 800 روپے

دوکانداروں کے لئے کمیشن کی شرح حسب سابق 33 فیصد رہے گی۔

یاد رہے کہ یہ وہ رقوم ہیں جو ادارہ طلوع اسلام میں نقد وصول ہونی چاہئیں۔ لہٰذا رقوم بذریعہ منی آرڈر' بینک ڈرافٹ بھجوائیں یا پرچہ بذریعہ VP طلب فرمائیں۔ VP کا خرچہ بذمہ خریدار ہوگا۔

لاہور سے باہر کے بینک کا چیک ارسال فرمائیں تو اس میں 40 روپے بنک چارجز شامل کرنا نہ بھولئے۔ یاد رہے کہ بنک ڈرافٹ پر آپ کے 14 اور منی آرڈر پر 10 روپے خرچ ہوں گے۔ بذریعہ VP منگوانے پر 22 روپے زاید خرچ ہوں گے۔

بیرون ملک خریداروں کی سہولت کے لئے فارن اکاؤنٹ کھول دیا گیا ہے۔ دیار غیر میں مقیم کرمفرما اپنا چندہ بقدر 22 امریکی ڈالر' جمع بنک چارجز ادارہ طلوع اسلام 25- بی گلبرگ 2- لاہور کے نام غیر ملکی کرنسی میں بھی بھجوا سکتے ہیں۔

ایسے کرمفرما جن کا چندہ برائے سال 1997ء موصول ہوچکا ہے۔ بقایا رقم بھجوا سکیں تو یہ ان کی طرف سے ماہنامہ طلوع اسلام کو مالی بحران سے نکالنے اور قرآنی فکر کو عام کرنے کے لئے مالی اعانت سمجھی جائے گی۔

پیشگی کھاتہ داران اور بزمہائے طلوع اسلام' آگاہ رہیں کہ جنوری 97ء سے ان کے کھاتوں سے جاری پرچوں کا زر شرکت نئی شرح سے وضع کیا جائے گا۔

چیئرمین ادارہ طلوع اسلام

THE QURAN AND SCIENCE

by

A.S.K. JOOMMAL

(Editor: AL-BALAAGH, Lenasia, SOUTH AFRICA)

"AND THE SUN MOVES ON TO ITS DESTINATION. THAT IS THE ORDINANCE OF THE MIGHTY, THE KNOWER. AND THE MOON, WE HAVE ORDAINED FOR IT STAGES TILL IT BECOMES AGAIN AS AN OLD DRY PALM-BRANCH. NEITHER IT IS FOR THE SUN TO OVERTAKE THE MOON, NOR CAN THE NIGHT OUTSTRIP THE DAY. AND ALL FLOAT ON IN AN ORBIT." (Quran, 36:38-40)

In the above verse, Allah has stated a mighty scientific truth. What science has only recently discovered, the Quran had spoken of it 1400 years ago. Only since 1957 have we begun to speak of space, sputniks, astronauts and orbits, but the Quran gave us an indication of things to come 14 centuries ago.

Materialists, atheists, rationalists and those who fancy themselves 'above' religion, usually speak belittingly of Islam and say that it conflicts with science. They brandish Charles Darwin's theory of evolution ('our ancestors were apes') and say that it is diametrically opposed to Islam. Hence the scientists are right and Islam is wrong. They forget, however, that Charles Darwin stole chunks and chunks of data from a Muslim scientist when he (Darwin) wrote his book "The Origin of Species". Ibn Maskawi was the first man to postulate the theory of evolution in his book "kitaabul Haywaan" or the "Texbook on Biology or Animal Life", centuries before Darwin thought of the idea. In substantiation of his theory, Ibn Maskawi has quoted the Quran and Hadith copiously.

Ibn Maskawi's book was translated into Latin, as all the Muslim works were translated into Latin. It was through the Latin translation of the Muslim works in the different branches of knowledge that Europe came out of the dark ages and became civilized. The superstructure of the Renaissance rests on the foundation of Islam and Muslim alone!

"FLOAT"

However, Allah Almighty confounds the puny scientists by using the very word (YASBAHOON) which is used in present-day scientific terminology. Each planet "floats" or "swims" in its particular orbit according to a fixed law, and it is not meant that one should overtake the other in defiance of the Law of Allah. The Planets, the sun, the moon and the stars are all MUSLIMS, that is, they SUBMIT themselves to the Law of God-just as a Muslim is supposed to submit himself totally to the dictates and commandments of Allah

The Quran is not a textbook of science, but there are enough verses in it to spur the mind of a Muslim to scientific investigations and discoveries. It was this Quranic knowledge that stimulated Arab thought and culture and gave to the world brilliant Muslim scientist, medical men, inventors, mathematicians and philosophers.

Since the Quran is for all time, for all ages, it contains the treasure-house of scientific truths. As the world progresses and more and more discoveries and inventions see the light of day, these will only confirm what the Quran had already stated fourteen hundred years ago. We must remember that scientists do NOT invent any laws. They only DISCOVER the law of God that has already been there! - waiting to be discovered!! Be it in the field of physics, optics, magnetism, electricity, astrophysics, microbiology, or any branch of physical or chemical science, the IMMUTABLE Law of Allah has been laid down. When man puts his mind to it and embarks upon research projects, he finds that a + b = c and not otherwise. This was how Almighty Allah had intended it to be.

SCIENTISTS

It is interesting to note here that there are 756 verses in the Holy Quran urging Muslims to study science, but only 120 verses dealing with such matters as nikaah, talaaq, and other moral precepts. The Holy Prophet (S) has also made reference to scientists. Its is recorded in the Hadith literature that the Prophet (S) once said: "Tonight a verse was revealed to me. Woe unto him who reads it and does not ponder over it. Woe again to him, and woe a third time." And then the Prophet (S) read the following verse of the Quran: "Verily in the creation of the heavens and earth are signs for a people who have sense (who ponder, think, investigate)."

Islam as a Deen, therefore, is NOT incompatible or in conflict with science. On the contrary, it complements science. The shortcoming or defect lies in our thinking. But as human knowledge attains perfection or near-perfection, the eternal

verities of the Holy Quran will be proved and confirmed again and again. A Muslim scientist had made the thought - provoking observation: "A religion which contradicts science, and a science which contradicts religion, are both equally false!" To which Albert Einstein, the father of the Theory of Relativity, had added: "Science without religion is lame; religion without science is blind."

The Muslim - who was during one period of history at the pinnacle of glittering scientific and cultural achievements (cf. 736 years of Muslim rule in Spain) has once more an even greater and scintillating role to play. the time is coming for him to lead the world again. He must, therefore, make the Holy Quran his Guide and Imaam, and allow the truth and beauty of this Holy Book to saturate his mind and permeate his entire being. In the words of Allamah Iqbal (AR):

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائیگا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

"Read again the lesson of truthfulness, justice and bravery;
(Because) you will once more be called upon to LEAD THE WORLD."

****

اعزازی

ہمارے بہت سے کرمفرماؤں نے اپنے عزیزوں' رشتہ داروں اور دوستوں کے نام پرچے جاری کروائے تھے جو دسمبر 1996ء تک جاری رہیں گے۔ ان پرچوں کی فہرست اگر ان کے پاس موجود نہ ہو تو ادارہ سے طلب فرمالیں لیکن یکم دسمبر 96ء سے پہلے ہمیں اتنا ضرور بتادیں کہ آن میں سے کون سے پرچے بند کرنا ہوں گے اور کون سے نئے جاری کئے جائیں گے۔ یکم دسمبر 96ء تک جواب موصول نہ ہوا تو موجودہ صورت حال جاری رکھی جائے گی۔

مدیر مسئول

A memorable letter written by Allama Ghulam Ahmed Perwez(r) to the Chairman of the then Constitution Commission Pakistan.

Sir,

I have the honour to enclose my answer to the Questionnaire published by the Constitution Commission.

Basic Problem.

2. Your basic problem is to discover a sanction so high and mighty that the new Constitution does not make an exit as did the late Constitution of 1956. Such a sanction lies in the will of the people to obey and cooperate with those whom the Constitution places in power. The frame work defining the limits for the exercise of their will, which the Muslims have through the ages consistently recognised, is delineated by the Quran. A deep reverence of the Book has always been a distinguishing feature of the Muslim community. Their loyalty to territory has synchronised with ultimate loyalty to Islam. Therefore, the only Constitution which can effectively function among the Muslims would be one based on the Quran which states.

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (5.44)

[Whosoever does not establish a State (and judge) according to the Book revealed by Allah - they are the unbelievers.]

Your basic problem thus resolves to finding a pattern suited to existing conditions, which may utilize and actuate the principles of the Quran.

The accompanying reply to your Questionnaire should prove helpful in finding a pattern based on all that is fundamental, uncontroverted and acceptable to Muslims at large.

Western Pattern

3. While evolving a framework on the basis of the Quran, you will come across several hurdles. There are those among Muslims who have been brought up to think of law and constitution in terms instilled in them by Western education..They would

not entertain the thought of any Constitution other than one of the Western pattern, and an Islamic democracy has little appeal for them. However, they represent themselves only and cannot claim acceptance of their views by the entire nation, so necessary for the success of a Constitution. They should, however, realise that the source of inspiration and cohesion of the Muslims is basically different from that of the Western society. Islamic ideology is unique and a Constitution based thereon is bound to be unique. It would be wrong to impose on our people a Constitution which does not have its foundation in the Quran, the one immutable common fundamental law for all Muslims. The Muslims living in British India, inspite of their mutual differences, demanded with one voice a homeland for themselves and migrated thereto in large numbers in order to lead lives under that law.

Duality

4. Then there are those who would recommend individual living according to Quran and conducting collective or public life according to codes other than the Quran. Duality is unbelief and the bane of life. The Quran condemned it, saying:-

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ (2:85)

[What, do you believe in part of the Book, and disbelieve in part? What shall be the recompense of those of you who do that, but degradation in the present life and on the Day of Resurrection to be returned unto the most terrible of chastisement.]

Compromise.

The two groups mentioned above might be satisfied with a compromise. But compromising with principles is a dangerous thing. The late Constitution compromised freely, became a nothingness and was consigned to oblivion. The Quran warns the Prophet( ) against compromising the Book for achieving its acceptance by the unbelievers:

وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا إِذًا لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا (17:74-75)

[And had We not confirmed thee surely thou wert near to incline unto them a very little; then would We have let thee taste the double of life

and the double of death; and thou wouldst have found none to help thee against Us.]

Freedom

5. There are still others who would say that if Islam is made the basis of our Constitution, then everything will have to be taken as already decided and there will be no freedom for the people to determine their affairs in the context of the changed conditions now prevailing. The apprehension arises from a serious misunderstanding. The true position is that the Quran lays down mainly the fundamentals and, barring a few exceptions, gives no details. The people in every age and clime have therefore full liberty to settle their own affairs subject to the one condition that the Quranic Fundamentals are not violated. Please see "Reconstruction of Religious Thought In Islam" (p. 140) wherein Allama Iqbal says_____

> The ultimate spiritual basis of all life, as conceived by Islam, is eternal and reveals itself in variety and change. A society based on such a conception of reality must reconcile in its life the categories of permanence and change. It must possess eternal principles to regulate its collective life; for the eternal gives us a foothold in the world of perpetual change. But eternal principles when they are understood to exclude all possibilities of change which, according to the Quran, is one of the greatest` signs` of God, tend to immobilize what is essentially mobile in its nature. The failure of Europe in political and social science illustrates the former principle, the immobility of Islam during the last five hundred years illustrates the letter.

Allama Iqbal has, in another place, condensed the position in one sentence in regard to the conclusions reached by our predecessors, namely_____

> The teaching of the Quran that life is a process of progressive creation necessitates that each generation, guided but unhampered by the work of its predecessors, should be permitted to solve its own problem.(Ibid. p. 160)

Sunna

6. A distinct type of compromise will be offered in the sacred name of Sunna, asking that, along with the Quran, the Sunna should also form the basis of your recommendations. Now, Quran, is a well known Book of unquestioned authenticity and the legislature will find no difficulty in determining whether a particular provision is or is not repugnant to the Quran. Not so is the case with Sunna. Considerable confusion of thought and difference of views exist as to what Sunna

exactly signifies The general impression which the term gives an average Muslim is related to the way the Prophet (May we obey and glorify his call) lived his day to day life. His daily actions and sayings are, so to say, preserved in Ahadith, or the statements of a chain of narrators recorded decades, rather centuries, after the Prophet`s demise. There are hundreds of thousands of these statements, a very meager percentage of which can stand scrutiny, and even that infinitesimal percentage is not alleged to constitute the very words of the Prophet (peace be upon him) The compilation of Imam Bukhari, which is said to be the most authentic after the Quran, is a selection of about three thousand Ahadith out of a collection of about six lacs which the Imam had made. Even this carefully selected compilation is not accepted by all to be above question. The collection by other Imams of Ahadith are, by consensus of opinion, held to be much less authentic than Bukhari`s. With the help of material involving so much confusion and lacking full reliability, the Legislature or the Judiciary will find it very difficult indeed to say with any degree of precision, whether a provision is or is not repugnant to Sunna. Acceptance of Sunna as basis of law would threaten to render every legislation ultra virus because it is easy to produce conflicting Ahadith on almost all issues. Under a Constitution based on Sunna, the work of Government is bound to come to a stand still.

This is, however, an issue which involves considerable emotion and needs to be discussed very coolly. I do not for a moment suggest that any doubt should be cast about the wisdom of the Prophet (peace be upon him) or that any detraction be made from the respect his decisions are entitled to. What I do stress, however, is that in his wisdom he left only the Quran as a binding and inviolable code for all times to come but did not leave behind a compilation of Ahadith. (Nor did his immediate successors ( ) compile any). To give the collections of Ahadith, got together by individual effort centuries after him, a position similar to that of the Quran is to violate the intentions of the Prophet (peach be upon him) himself.

Allama Iqbal ®

In this context you would certainly appreciate the views of Allama Iqbal which have the support of Imam Abu Hanifa and Shah Wali_Ullah, Mohaddith Dehlvi. In his " Reconstruction of Religious Thought in Islam" (pp. 163-5 Oxford edition) Allama Iqbal says:-_____

For our present purposes, however, we must distinguish traditions of a purely legal import from those which are of a non-legal character. With regard to the former, there arises a very important question as to how far they embody the pre-Islamic usages of Arabia which were in some cases left intact, and in others

modified by the Prophet(peace be upon him). It is difficult to make this discovery, for our early writers do not always refer to Pre-Islamic usages. Nor is it possible to discover that the usages, left intact by express or tacit approval of the Prophet, were intended to be universal in their application. Shah Wali Ullah has a very illuminating discussion on the point. I reproduce here the substance of his view. The Prophetic method of teaching, according to Shah Wali Ulla, is that, generally speaking, the law revealed by a Prophet takes special notice of the habit, ways, and peculiarities of the people to whom he is specifically sent. The Prophet who aims at all-embracing principles, however, can neither reveal different principles for different peoples, nor leaves them to work out their own rules of conduct. His method is to train one particular people, and to use them as a nucleus for the building up of a universal Shari`at. In doing so he accentuates the principles underlying the social life of all mankind, and applies them to concrete cases in the light of the specific habits of the people immediately before him. The Shari`at values (Ahkam) resulting from this application (e.g. rules relating to penalties for crimes) are in a sense specific to that people, and since their observance is not an end in itself they cannot be strictly enforced in the case of future generations. It was perhaps in view of this that Abu Hanifa who had a keen insight into the universal character of Islam made practically no use of these traditions. The fact that he introduced the principle of "Istehsan. " i.e.,Juristic preference, which necessitates a careful study of actual conditions in legal thinking, throws further light on the motives which determined his attitude towards this source of Mohammedan Law. It is said that Abu Hanifa made no use of traditions because there were no regular collections of in his days. In the first place it is not true to say that there were no collections in his day, as the collections of Abdul Malik and Zuhri were made not less than thirty years before the death of Abu Hanifa. But even if suppose that these collections never reached him, or that they did not contain tradition of a legal import, Abu Hanifa, like Malik and Ahmed Ibn_i_Hamble after him, could have easily made his own collection if he had deemed such a thing necessary. On the whole, then, the attitude of Abu Hanifa towards the tradition of a purely legal import is to my mind perfectly sound; and if modern Liberalism considers it safer not to make any indiscriminate use of them as a source of law, it will be only following one of the greatest exponents of Mohammedan Law in Sunny Islam

It will thus be seen that the immutable principles on which your recommendations should be based are available in the Quran only.

Distribution of Power.

There is a point of detail to which I should invite your attention. Keeping the principles of the Quran in view, I have suggested in my reply to the Questionnaire details of the distribution of power between the several agencies, but there cannot be two opinions about the validity of the underlying Quranic principles. This is equally true about Muslim Fiqh which is only a crystallisation of the efforts of people who have preceded us.

In the Quranic Social Order, sovereignty rests with Allah and the position of the organs of the State is that of agencies of limited jurisdiction. I have suggested that the final say in questions pertaining to jurisdiction should lie with the Judiciary. Instances of misuse of the constitutional power of Judiciary are very rare and it will be only economical that with their discipline and training they should exercise this power.

It is admitted that the power of making Islamic laws shall vest in the Legislature and that they will take care that the laws they make are not repugnant to the principles of the Quran, Yet law-makers in recent history, specially in Asia, have shown a tendency to be carried away by the " mood of the moment". Judicial function must, however, be performed by an agency which is removed from the "moods of the moment" and tension of conflicting interests. In USA, the Supreme Court has done excellent service in judging the constitutionality of an Act of Legislature. There is no reason why our noble Judiciary should also not perform the function equally efficiently.

Ulema.

8. A suggestion might be made to you that the experts in Islam, the Ulma should constitute the final authority for deciding what is and what is not Quranic, The genesis of Islamic Law shows that there have been two aspects of it. The duty of studying and advising on the principles of the Book has been considered separate and distinct from the duty of deciding disputes The former function was assumed by individuals who cared to study the Islamic Law and be a lawyer or Mufti, and the latter function was entrusted by the State to the Judge, or Qazi. The position under our Constitution would not be different. The law makers will make the laws on the basis of the Quranic principles with due regard to the requirements of modern times. The process would necessitate assimilation not only of our historical past but also of the legal experience of entire humanity. The Ulema are experts generally on precedents and opinions of doctors of law who lived centuries ago. They can, therefore, play only a minor role in the present day context. On the other hand, the members of the legal profession who have been assisting the Civil Courts in Personal Muslim Law with

marked success, will find it easier to widen the scope of their activity and do justice to the task.

Minorities.

9. The question of minorities in an Islamic State has been worrying many people. In my answer to Question 40, I have analysed it and given a complete picture of the subject. I would invite your special attention.to it

Quranic Social Order

10. The Quran envisages a Social Order in which every individual will (a) work to the utmost of his capacity, (b) with the return of his labour, will first of all, meet the basic needs of his life, and (c) will utilise the balance for meeting the needs of others. In such a Social Order, the question of private ownership of means of production and retention of surplus money by individuals will not arise. The bringing in of the Order needs a complete change in the outlook of the individual and in his faith in life values. He must have faith in God, in human Personality, in God's Law of Retribution and in the life Hereafter. (I have dealt with this subject fairly exhaustively in a separate treatise_____ Quranic Economics_____ a copy of which in forwarded herewith.) The change is enormous and will only come gradually. Nevertheless, the establishment of the Social Order will form the ultimate goal of an Islamic State. It is in this context that Fundamental Right 21 has been included under Question No.22 as a first step.

Rationale

11. In this letter, and in the answer to the questionnaire, I have not been giving the rationale of the suggestions made but have only in some places referred to a principle lest the ;answer should look enigmatic. If any elaboration seems called for somewhere, I shall be only too glad to assist.

Unique Opportunity.

12. We stand at the threshold of a great era with a unique opportunity before us. Let us not miss it but should do all we can to help the establishment of the "Law of God" the One to whom we all proclaim fealty. Says He

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى ٱلْأَرْضِ مِنۢ بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (10 : 14)

[Then we made you successors in the land after them, so that We might behold how you would do.]

I have etc..
(G.A.Parwez)

Copy to all members of the constitution Commission.)

SUBSCRIPTIONS ARE LIFE-LINE

FOR THE PERIODICALS

PLEASE KEEP THIS LIFE-LINE FLOWING

WIHT YOUR TIMELY SUBSCRIPTIONS.

INLAND ANNUAL SUBSCRIPTION FROM JANUARY 97
SHALL BE Rs. 170
EACH COPY PRICED AT Rs 15/=